کہہ رہا ہے غنچۂ نورس سے شبنم کا سکوت
زندگی ڈھلکا ہوا اک قطرۂ جاں سوز ہے

غنچۂ نورس

طالبِ اثر
اختر نعمانی
الہ آبادی

ادبیات
۱۰۸/۲ ریلوے کوارٹر منٹو روڈ۔ نئی دہلی

قیمت عہ/
(مطبوعہ آرمی پریس دہلی)

عالمِ یاس میں یہ کس نے پکارا مجھ کو
شورشِ غم میں کہیں رُوح تو بیدار نہیں
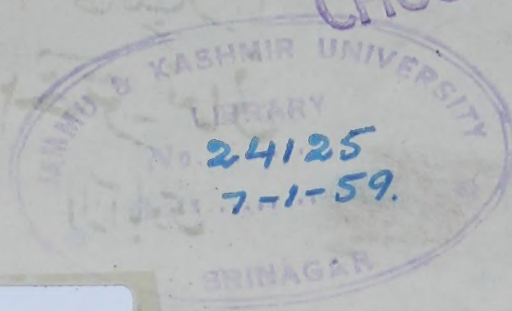
مضامین

آنسوؤں میں ڈوب جاتی ہے نشاطِ زندگی
جبکہ دل روتا ہے لیکن آنکھ تر ہوتی نہیں

اشارے

مجھ سے احباب کا تقاضہ ہے کہ مجموعہ کے ساتھ رسم کے بموجب دیباچہ بھی چسپاں کر دوں لہذا مجبوراً ماضی کو حال میں انگیز کر رہا ہوں۔

دراصل دیباچہ کے معنی زندگی کا خلاصہ۔ سرگزشت حیات غم و عشرت کی مکمل روداد ہے۔ یوں تو گہوارۂ زندگی میں انسان ہی نہیں بلکہ ہر شے اپنی آغوش میں ایک نہ ایک واقعہ یا حادثہ ضرور رکھتی ہے۔ حادثہ غم اور واقعہ عشرت سے تعبیر ہے۔ لیکن میں خوش ہوں اس خیال سے کہ میری سابقہ زندگی میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جسے میں عشرت بداماں کہہ سکوں۔ غم میری تقدیر ہے، راحت۔ سکون۔ اور عشرت میرے نصیب میں نہیں۔

غم سے مجھے فائدے پہنچے ہیں، اگر میرا ہنما غم نہ ہوتا، تو یقین

ہے، کہ ہیں منزل کا نشان تک نہ پاتا، میں نو برس کا تھا، دنیا
کے فتنہ و شر سے نا آشنا اپنے خواب و خیال کے گہوارہ میں سانس
لے رہا تھا کہ قطعی غیر متوقع طور پر میرے رہنما "غم" نے مجھے اپنی آغوش
میں کھینچ لیا۔ کچھ خانگی امور کی بنا پر چند قسی القلب عزیز داروں
میں میرے والد کو قتل کرا دیا۔ والد مرحوم کے سوگ میں ماں مبتلائے
دق ہو گئی۔ چند مہینے کے اندر اس نے بھی مجھے اپنی آغوش سے محروم
کر دیا۔ ماں کے بعد ایک جوان بھائی انہیں حادثات کی گود میں دم توڑ گیا۔
دو بھائیوں میں سے ایک کا انتقال ہو چکا ہے سب سے
بڑے حیات ہیں، مجھے بہت چاہتے ہیں، ان کی پر خلوص گود
میں مجھے آغوش والدین کی راحت آج بھی نصیب ہے۔

یہ وہ حادثات ہیں جو کہ میرے لئے بہترین رہنما ثابت ہوئے
اگر بچپن ہی میں ایسے جانکاہ حادثے مجھ پر نہ پڑتے تو یقین ہے
کہ میں آج بھی اپنے ازلی ماحول میں سانس لیتا رہتا، میرا
ماحول ایک چھوٹے سے قصبہ کا ہے۔ عام طور پر لوگ کسان
پیشہ ہیں، کھیتی باڑی ان عصوموں کی زندگی کا مستقل

ڈھرا ہے، چند بیگہ زمین ان کی کل کائنات ہے، بادو
باراں پر ان کی زندگی ہے۔ سال کے آٹھ مہینے زمین جوتنے،
بونے میں گزرتے ہیں، باقی چار مہینے بادو باراں کے
انتظار میں۔

چنانچہ والدین کے انتقال کے بعد میرا تعلق بھی زراعتی
ماحول سے رہا ہے، معاشی مجبوریوں کی بنا پر ابتداً اٹھارہ
سال کی عمر تک میں اسکول اور مدرسہ کی تعلیم سے قطعی محروم
رہا۔ لیکن ایسے تاریک ماحول میں بھی اکثر محسوس کرتا تھا
کہ زندگی کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ جو کہ پیش نظر ہے۔

دراصل لطیف احساسات کا وسیع ہو جانا ہی تجلی
ہے، تجلی کوئی ایسی شے نہیں جو ہماری نظروں سے مخفی
ہو، ذرے ذرے پر تجلی ہے، نگاہ چاہیئے۔ یہ عالم کائنات
زندگی کی کھلی ہوئی کتاب ہے۔

ایک روز جبکہ میں مئی کی تڑپتی ہوئی دھوپ میں
کھیت سے گھر واپس آ رہا تھا، تو یہ خیالات میرے ذہن

میں تجلی بن کر گردش کرنے لگے۔

(۱) کیا ہم اسی لئے پیدا ہوئے ہیں کہ لیل ونہار کی گردش کے شکار ہوتے رہیں؟

(۲) کائنات ہماری شخصیت کی محتاج ہے، یا ہم کائنات کے محکوم ہیں؟

(۳) جو لوگ حلقۂ شام وسحر سے نکل کر کامیاب ہوئے ہیں وہ کیا بنتے؟

(۴) ہم مجبور زندگی کب تک بسر کریں گے،

سالہا سال کے بعد آج بھی میں محسوس کر رہا ہوں کہ جس گھڑی یہ خیالات میرے ذہن میں آئے تھے، وہ خوشگوار ترین گھڑی تھی، یہی وہ خیالات ہیں، جنہوں نے میری تاریک زندگی کو بیک پرتو روشن اور کسی حد تک کامیاب بنا دیا،

میں انہیں برقی خیالات کے گہوارہ میں تڑپتا ہوا گھر پہنچا، ایک لمبی سانس لیکر چارپائی پہ دراز ہوگیا اور آئندہ زندگی کی خوشگوار فکر میں سو گیا۔

نہ جانے یہ خواب تھا، یا بیداری، اتنا جانتا ہوں کہ جب میں عالمِ محسوسات میں آیا تو میں نے ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی پائی۔

اس دَور میں سعدیؒ کا ایک شعر اکثر پڑھا کرتا ہوں۔ شعر بظاہر سادہ ہے، خیال کے اعتبار سے بھی عمومیت ہے۔ مگر چونکہ شعر میں خصوصاً میں اپنے لئے ایک مستقل رہنمائی پا رہا ہوں، لہذا پڑھتا ہوں ؎

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

مشکلات سے ہراساں نہ ہونا ہی آسانیوں کے مترادف ہے۔

بلکہ اب تو مسلسل مصائب و مشکلات کا مقابلہ
کرتے کرتے، یہاں تک عادی ہو چکا ہوں کہ ہر تازہ طوفان
پر مسکرا دیتا ہوں، شاید اس لئے کہ ہر طوفان کی حقیقت
سے آشنا ہو چکا ہوں۔

طالبِ اثر:۔

اخترؔ (نعمانی)

الٰہ آبادی

اختر نعمانی (نظامی) الہ آبادی

فکر و نظر

ہمارے مسلسل تجربات بتاتے ہیں کہ فطرت کا
ہر ماحول غیر مستقل ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک ایک لمحۂ
سرشاری غم انگیز سانس سے کم نہیں۔
فطرت کے کسی ماحول میں عروج ہے نہ زوال، اس
پہ طرفہ ہے کہ عروج سے قبل زوال کا احساس ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ کلی انتہائے شباب پہ پہنچتے ہی منتشر ہو جاتی ہے
سبزہ اگتے ہی جھک پڑتا ہے۔ شفق کھلتے ہی پاش پاش
ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ فطرت کی خوشگوار ترین گھڑی بھی مستقل
غم ہے۔

یہ ہماری معصومیت ہے کہ چلتے پھرتے مناظر سے
ہم زندگی کی تعبیریں نکالتے ہیں۔ ویرانے کو غم کدہ اور رنگین
وادی کو عشرت کدہ تصور کرتے ہیں۔

اگر ہم ذرا بھی سنجیدگی سے غور کریں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مصوّر کا قلم، فلسفی کی فکر اور شاعر کے خیالات اسیرِ فطرت ہیں۔

باوجودیکہ یہ شخصیتیں لطیف ترین آرٹ کی مالک ہیں لیکن مصوّر قلم کاریوں کے ذریعے۔ فلسفی کشمکش افکار میں اور شاعر پریشان تخیل کے ساتھ کفارہ ادا کرتا رہتا ہے۔ تصویر میں جان نہیں۔ فلسفیانہ افکار رازسے خالی۔ اور شعر تشنۂ معنی یہ ہے ہمارے آرٹ کی شرح کامل اور فکر و نظر کا حاصل۔

لہٰذا آپ لوگ غنچۂ نورس کو بھی فطرت کا مجموعۂ کفارہ تصور کیجیئے۔ اور نظر کے ساتھ فکر کیجیئے حجاباتِ فکر پر۔

طالبِ اثر

اختر

آراء

میں اختر کو ایک عرصے سے جانتا ہوں، میں نے ان کے اشعار پڑھے بھی ہیں اور سنے بھی ہیں، میں نے ان کی زندگی کے مختلف دور دیکھے ہیں، انہوں نے جو کچھ کہا ہے اسے محسوس بھی کیا ہے ان کے اشعار الفاظ کے جامے میں ان کے محسوسات ہیں۔ ان کا ذہن بیدار ہے اور انکی نظر حقیقت شناس۔

ان کا کلام فرقہ بندی کے اثر سے پاک ہے اور اگرچہ یہ مذہب و ملت کا مطلق فرق نہیں کرتے، مگر خود مسلمان بھی ہیں اور مومن بھی اور یہ چیز تحت الشعوری طور پر ان کی فضائے شعریت میں جاری و ساری نظر آتی ہے۔ لیکن انکی شاعری یہیں تک محدود نہیں، اختر نے مناظر فطرت، جلوہ ہائے قدرت اور جذبات محبت کو نغمہ و سرود کی سحر آفرینیوں کے ساتھ اپنی متعدد نظموں میں پیش کیا ہے، انکی بڑی خصوصیت ان کے

کلام کا ترنم ہے، اسے پڑھیئے تو اس میں نغمے کی لطافتیں
ہیں۔ اگر سمجھیئے تو زندگی کی حقیقت۔
غربت و افلاس کی گود میں پرورش پا کر بھی اختر
یاس و مایوسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے، ان کی رُوح
امیدوں کا گہوارہ ہے۔ ان کی نگاہیں ہر سیاہ بدلی میں
نقرئی حاشیہ تلاش کرتی ہیں۔ اور پالیتی ہیں۔ انہیں
آسودگی ملی ہوتی تو نہ جانے کیا کچھ ہوتا۔ لیکن یہ وہ چیز ہے
جو صرف انہیں کو نہیں کسی کو بھی نہیں ملتی۔

"راحت سعید"

فروری ۱۹۴۵ء دہلی

پیشِ لفظ

عالیجناب لفٹنٹ کرنل فیض احمد صاحب فیضؔ،
کا میں انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنی بلند نظر کے
ساتھ مجھے پستی سے بلندی پر پہنچا دیا۔ مجھے اعتراف ہے
کہ "غنچہ، نورس" ادبی غلطیوں کا گہوارہ تھا۔ اگر فیض صاحب
کی نگاہِ فیض سے محروم رہ جاتا۔ تو میں یقیناً ادب پر مستقل بار
تھا۔ ؎

"آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک"

طالب اثر

اختر۔ نعمانی

حرف و حکایت

غنچہ نورس کی طباعت کا انتظام دسمبر ۱۹۴۴ء میں عالیجناب
حاجی عباد اللہ خاں صاحب نے کر دیا تھا۔ لیکن جنگ کی
شورش میں کاغذ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر ہوتی گئی
تاخیر میرے حق میں باعث عتاب ہوئی۔ اور سنہ ۱۹۴۵ء گزر گیا۔
کامل ایک سال غنچۂ نورس کا ذخیرہ معہ تیاری پڑا رہا۔

حاجی صاحب قبلہ کے روپے صرف ہوئے اور میں
بصورت شبنم غنچۂ نورس کی دلجوئی میں مصروف رہا نیا سال
سنہ ۱۹۴۶ء غنچۂ نورس کی بہار کا پیام لیکر آیا اور مالک
آرمی پریس محترم خان بہادر حاجی محمد منظور علی صاحب نائب
فیوضہم کے بڑے صاحبزادے محبی فضل الشافی صاحب نائب
نے آرمی پریس سے طباعت کا انتظام کر دیا۔
شافی صاحب کا میں ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھ کو

حاجی عبداللہ خان صاحب رئیس اعظم پش
پریذیڈنٹ فروٹ مرچنٹس دہلی

مستقل خسارے سے بچا لیا۔

کمی رہ جائے گی اگر میں مکرم حاجی عباد اللہ خاں صاحب کی بزرگانہ شفقت کا دل سے اقرار نہ کر لوں تو۔ حاجی صاحب قبلہ نے "غنچۂ نورس" کی اشاعت کے بہانے دراصل مجھ کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ میری قسمت کہ میں موصوف کی مکمل نوازش کا سزاوار نہ ہو سکا۔

بہر حال میں محترمی حاجی عباد اللہ خاں صاحب کو اپنا بزرگ اور مربی تصور کرتا ہوں اور اپنے دلی سکون کے ساتھ "غنچۂ نورس" کو موصوف سے منسوب کرتا ہوں۔

طالبِ اثر

اختر نعمانی

ترا نام خالقِ دو جہاں تری شان مالکِ بے نیاز
تری ذات۔ ذاتِ قدیر ہے تو کہیں نیاز کہیں ہے ناز

ترا بھید کوئی نہ پا سکا نہیں جانتا کوئی تیرا راز
کہیں نور ہے کہیں نار ہے، تو کہیں ہے سوز کہیں ہے ساز

۱۸ تجھے دیکھکر کوئی کیا کہے، وہ طلسم ذات ہے، تیری ذات
کہ ہزار جلوے ہزار رنگ ہر ایک رنگ نظر نواز

سرِ طور حسن کی شکل میں سرِ عرش صورتِ عشق میں
ترا رازداں کوئی کب ہوا تو خود آپ اپنے لئے ہے راز

نہ حریم ناز و نیاز میں تری ذات تری تجلیاں
کہ نگاہِ نقد مجاز میں تو ہی غزنوی ہے، تو ہی ایاز

یہ مقامِ حیرتِ دید ہے، کوئی کیا بتائے کہ کیا ہے تو
مری عقل خام میں خود نگر ہے تو خود حقیقت و خود مجاز

ترا تذکرہ ہو نشاطِ جاں تری دید حاصلِ جذبِ شوق
میری چشمِ سادہ نگاہ میں یہی بندگی ہے یہی نماز

کبھی کوئی تجھ سے گلہ کرے جو گلہ کرے بھی تو کیا کرے
سبھی تیرے در کے گدا ہوئے نہیں اور کوئی گدا نواز

ترے در پہ اختر کم نصیب جو آ گیا ہے تو اے کریم
تو بڑھا دے دستِ کرم نواز اسے بھی کر دے تو سرفراز

حضوُر! نذرِ عقیدت میں قلب لایا ہُوں
لہو کی بوند ہے لیکن جہاں نما ہے یہ

تمام حسن و تبسم تمام رعنائی
تمام کیف و ترنم تمام یکتائی
تمام عیش و نشاط و تمام آقائی
تمام منظرِ رنگین سکون بینائی
نگار خانۂ قدرت کے شاہکار ہیں آپ؟
تمام عالمِ امکاں کے تاجدار ہیں آپ؟
نیاز بڑھ کے سراپائے ناز ہو جائے
یہ طرز ہے کہ حقیقت مجاز ہو جائے
بشکل غزنوی خود ہی ایاز ہو جائے
خوشا وہ بندہ کہ بندہ نواز ہو جائے
حضور آپ نہ جانے خدا ہیں یا کہ رسولؐ
میرے تو حسنِ تصور کے حدِ کار ہیں آپ
میں اپنے حسنِ تخیل کی وسعتوں کے نثار
ہر ایک سانس پہ خوش کام حسرتوں کے نثار
کہیں بھی راہ میں میں نے قیام ہی نہ کیا

ہر ایک گام پہ منزل کی راحتوں کے نثار

حضور! اب تو مجھے کیفِ بندگی ہو عطا

کہ میں بھی ادنیٰ نیازی ہوں تاجدار ہیں آپ

تجلی بنکے چمکی ذاتِ احمد جبکہ فاراں پر

گری اک برقِ محشر خیز کفرستانِ امکاں پر

ضلالت کفر کی انسان کے دل سے ہوئی کافور

ہر اک تاریک سینہ نورِ ایماں سے ہوا معمور

جبینِ شب سے پہلی بار پھوٹی صبحِ نورانی

میسر آئی پہلی مرتبہ ذروں کو تابانی

ستاروں نے چمک شمس و قمر نے روشنی پائی

عروسِ زندگی لیکر اُٹھی اک مست انگڑائی

زباں سوسن نے اور نرگس نے پائے دیدۂ حیراں

تبسم غنچۂ نورس نے بلبل نے دلِ نالاں

نرت کرنے لگی بکسن نسیمِ صبح گلشن میں

جھکی ہر شاخِ تازہ پھول بھر کر اپنے دامن میں

ملی افتادگی شبنم کو شعلے برقِ سوزاں کو
پتنگے کو ملے آنسو، ہنسی شمعِ فروزاں کو

گڈریوں نے چراگاہوں میں کچی بانسری چھیڑی
جھٹک کر توڑ دی حسن وفا نے رسم کی بیڑی

محبت نے جمایا رنگ۔ کفرِ آذری ٹوٹا
مکاں سے لامکاں تک ایک شورِ مرحبا اٹھا

جو کرنیں آفتابِ حسن سے پھوٹی تھیں فاراں پر
خدائے زندگی بن کر رہیں دنیائے امکاں پر

مری جاں مدینہ مرا دل مدینہ
مری آرزوؤں کی محمل مدینہ

مدینے کی گلیاں ہیں جنت سے بڑھکر
مرے ذوق عرفاں کا حاصل مدینہ

خدا خود ہے جس بزم کا میرِ مجلس
وہی ہے محمدؐ کی محفل مدینہ

مجھے موج طوفاں کا پھر خوف ہی کیا
ہے میرے سفینے کا ساحل مدینہ

میں عاشق ہوں شاہ مدینہ کا اختر
میرے عشق کی شرح کامل مدینہ

ظہورِ قدسی کی نظمیں بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں۔ پہلی
نظم دیباچہ ہے اور نظمیں حسنِ دیباچہ ہیں۔
ظہورِ قدسی کی نظمیں۔ دورِ رسالت۔ زمانۂ خلافت
اور تاریخ امامت پر مشتمل ہونگی۔
دُعا فرمائیے کہ اس کارِ عظیم کی تکمیل رسول مقبولؐ
کے نام پر کر سکوں۔

۲۵

طالبِ اثر
اختر۔ نعمانی
الہ آبادی

ظہورِ قدسی

رُخِ مصطفےٰ سے حجاب اُٹھ رہا تھا — سحر آفریں آفتاب اُٹھ رہا تھا

نئے سر سے دنیا پہ رنگ آ رہا تھا — مؤرخ بھی تاریخ دھرا رہا تھا

سرِ طورِ موسیٰ کو نیند آ گئی تھی — تسلی سی برقِ نظر پا گئی تھی

زمانہ میں عیسیٰ نفس آ چکے تھے — بہت کچھ دلوں کو بھی گرما چکے تھے

مرتب تھا اک خواب چشمِ فسوں میں — تھا دامانِ یوسف بھی دستِ جنوں میں

محبت کسی سے طلب کی گئی تھی — وفاداریوں کی قسم لی گئی تھی

ق

سرِ قتل گہہ خوں بہایا گیا تھا — شہیدِ وفا آزمایا گیا تھا

جو تاریخ تھی بن گئی تھی فسانہ
حقیقت کو بھولا ہوا تھا زمانہ

کوئی شانِ ہستی نہ تھی آدمی میں
کشش کچھ نہ تھی پیکرِ زندگی میں
تنِ مردہ میں رُوح بے جان سی تھی
عروسِ بقا تھی بڑی بیکسی میں

پشیماں تھی تدبیرِ انساں پہ رحمت
فریبِ مسلسل تھا فرزانگی میں

۲۷ نہ اخلاق و اخلاص سے کام تھا کچھ
نہ تھی نام کو بھی محبت کسی میں

رہا کرتی تھی جنگ آپس میں ضدیں
یہاں تک تھیں دلچسپیاں دشمنی میں

کوئی فلسفہ داں کوئی نکتہ رس تھا
نہ تھا کوئی بھی منزلِ آگہی میں

دلوں میں چمکتی تھی بجلی سی اکثر
تھی لیلیٰ شب صبح کی آرسی میں

مرتب ہوئے تھے جو سجدے ازل میں
وہ محفوظ تھے عظمتِ بندگی میں
نئے آستاں کی تھی حسرت جبیں کو
سنائے تھے در کار عرشِ بریں کو

نئے دور کی ابتدا ہو رہی تھی
سحر! شامِ غم سے جدا ہو رہی تھی
ستاروں کو اذنِ سفر مل رہا تھا
وداعِ شبِ ظلمت لقا ہو رہی تھی

نگاہوں کو محرم کیا جا رہا تھا
نظر کو تجلی عطا ہو رہی تھی

۲۹

سرِ عرش ہنگام رخصت دلوں پر
نمازِ محبت ادا ہو رہی تھی

وہ "نورٌ اعلیٰ نور" ذاتِ محمد
حجابات سے رونما ہو رہی تھی

زمانہ قدم بر قدم بچھ رہا تھا
جبینِ ادب نقشِ پا ہو رہی تھی

خدائی نے مستی میں انگڑائیاں لیں
اداؤں نے مرکز سے رعنائیاں لیں

یہ انسانِ فطرت کا ہارا ہوا تھا
تخیل میں قبلہ تھا قبلہ نما تھا
خُدا! جو کہ ہر ذہن سے ماورا تھا
وہ دستِ ہنر ساز میں آگیا تھا
بہت ان میں اہل نظر اہل دل تھے
تصور میں یزدانِ ترشا ہوا تھا
جبینِ حرم کچھ پسیجی ہوئی تھی
خدا اپنے بندوں سے شرما رہا تھا
بساطِ براہیم پر بُت گری تھی
حرم کی ضیا ظلمت آذری تھی

۳۰

وہ انسانِ کامل کہ جس کی ادائیں
نظامِ دو عالم کی رُوحِ رواں ہیں
تکلم میں دل کی حدیثیں مرتب
تبسم سے اسرارِ آنسو عیاں ہیں

دل کفر آگیں پہ ضرباتِ پیہم
ہمہ وصفِ ایماں ضمیر اذاں ہیں
شفیعِ اُمم! بن گئی فکرِ عالی

تحیر میں ڈوبے ہوئے نکتہ داں ہیں

مدینے سے ہر منزلِ لامکاں تک
نقوشِ حرم رہبرِ کارواں ہیں
دلِ معصیت پر ندیمانہ نظریں
گنہگار پر رحمتیں مہرباں ہیں

یہی رحمتیں "رحمتِ عالمیں" ہیں
سراجاً منیرا ہیں ماہِ مبیں ہیں

اے چشمِ امتیاز سحر کی بہار دیکھ
ہے بے حجاب رحمتِ لیل و نہار دیکھ
آبِ رواں میں ساحلِ فطرت رواں دواں
آئینۂ جمال میں تصویرِ یار دیکھ

۳۲

داستاں، در داستاں افسانہ در افسانہ ہم

۳۴

مے بھی ہم مینا بھی ہم ساقی بھی ہم پیمانہ ہم

"اختر"

حضرت ابوبکر صدیق اعظم رضی اللہ عنہ

یا نیاز و ناز کا اک نقشِ لافانی ہے تو
یا مکمل صدق کی تصویرِ لاثانی ہے تو
دیر و کعبے کی عبث ہنگامہ آرائی سے دور
ساقیٔ میخانہ کی آغوش میں ہے چور چور

صدق و اخلاص و محبت وحدتِ مقصود ہے
ماسوائے ذات، ذات مصطفٰے معبود ہے
مرحبا صد مرحبا وجدان و کیف عاشقی
اک خلوص مستقل ہے سجدہ گاہ بندگی

بے نیازِ ہوش ہو کر عاقل و فرزانہ ہے
کون کہتا ہے کہ تو بے ہوش ہے دیوانہ ہے
تیری بے ہوشی کے صدقے کائنات عقل و ہوش
جذبۂ صادق سے آنکھیں ہو گئی ہیں سرخ پوش
آج کیا محبوب تیرا پھر سفر کرنے کو ہے

کیا وفاداری میں کچھ رنگِ وفا بھرنے کو ہے

اے رفیقِ راہ یارِ غار، اے مشفق، شفیق

جذبۂ جوشِ رفاقت تیری منزل کا رفیق،

گرچہ منزل دور ہے دشوار ہے راہ وفا

اے خوشا تقدیر تیرا رہنما ہے مصطفےؐ

مصطفےؐ جس نے ودیعت کی نظر کو روشنی

مصطفےؐ جس نے عطا کی زندگی کو زندگی

۶ سعہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ !

یا خودی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تصویر ہے
یا چراغِ مصطفےٰ کی مستقل تنویر ہے
یا جمالِ مصطفےٰ پر اک حجابِ دیدنی
یا بساطِ کعبہ پر چٹکی ہوئی سی چاندنی

یا جبینِ کفر پر اسلام کی سرخی ہے تو
یا نگاہِ عشق سے ڈھلتی ہوئی مستی ہے تو،
یا فرازِ طور پر کوندی ہوئی بجلی ہے تو
یا گلوں کی گود میں مچلی ہوئی تتلی ہے تو،
یا کتابِ دہر پہ دیباچۂ شام و سحر
یا نگاہوں کے افق پر گردشِ شمس و قمر
یا صفِ اعدا پہ ہے تلوار یزدانی کی باڑھ
یا سرِ ساحل کوئی ٹھہرے ہوئے پانی کی باڑھ

یا نشاط بزم میں ٹوٹے ہوئے دل کی صدا
یا یتیموں کے لئے تائید ذاتِ کبریا
کوئی تیرے سرِ فطرت کو سمجھ سکتا نہیں
تو وہ موتی ہے جسے کوئی پرکھ سکتا نہیں

حکمتِ یوناں ہے اور تیری سیاست اور ہے
اور ہے تیری عداوت تیری الفت اور ہے
فرق شاہی پر تیری ضربات "ضرب بے پناہ"
آج بھی تاریخ عالم ہے حقیقت کی گواہ

تو نے شانِ خسروی چھوڑی نہ شانِ قیصری!
تیری ٹھوکر میں ہے سرداروں کا زعم سروری
دین فطرت کے امیں پہلوئے احمد کے مکیں
آ کہ تیرے واسطے بے چین ہے عرش بریں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اے کہ تو عجز و خودی کا مستقل شاہکار ہے
اے کہ تو حلم و حیا کا آخری معیار ہے
قلب مومن کے لئے اک جذبۂ کامل ہے تو
موج دریا کے لئے بھی دامن ساحل ہے تو

صورت نقش فنا ہر چیز پر پھیلا ہوا
تیرے قدموں پر جھکا ہے آسماں سہما ہوا
باقیات زندگی میں تیری تاریخ حیات
ثبت ہے اس وقت تک جب تک جہاں کو ہے ثبات

سنگ اسود پر ترے بوسے کا اب تک نیل ہے،
کعبے کی چوکھٹ میں تو فولاد کی اک کیل ہے
تیری فطرت مذہب و ملت سے سادہ تھی مگر
دین فطرت کا اثر دل پر ہوا کچھ اس قدر

راہِ ہستی میں تلاشِ حق پہ جب باندھی کمر
آگے منزل پہ ہوا منزل سے ایسا بے خبر
بھولے بھٹکے راہیوں نے رہبرِ کامل کہا
کاروان والوں نے بھی گہوارۂ منزل کہا
مصحفِ قرآن پر تیری حقیقت ثبت ہے
کعبۂ ایمان پر تیری جلالت ثبت ہے
ثبت ہے تیری محبت پرچمِ اسلام پر
حق پرستوں کو رہیگا ناز تیرے نام پر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

شیشۂ ایمان میں گل رنگ باقی تھی ابھی
پینے والوں میں بہت کچھ یاد ساقی تھی ابھی
پردۂ ہستی اٹھا کر "شیشہ گر" اک آگیا
میکدہ بر دوش ہو کر ابر رحمت چھا گیا

چاند تاروں نے ستاروں نے کیا جھک کر سلام
دور سے آواز آئی ساقیٔ عالی مقام
دیر سے پیاسے ہیں میخانے میں رندِ بادہ خوار
ڈھال دے ساغر میں شیشہ میں ہے جتنی رس بہار
حوض کوثر میں نہ باقی ایک بھی قطرہ بچے
مست آنکھوں کے تصرف سے نہ اک ذرہ بچے

توڑ دے شیشہ اٹھا دے پردہ ہائے آب وگل
آب وگل کے زیر دامن ہے جہانِ رنگ و بو
ذرہ ذرہ ہے یہاں کا تشنہ کامِ آرزو
زرد رُو آزردہ دل ہیں پیاس کے مارے ہوئے
نام پر آئے ہیں تیرے جان و دل وارے ہوئے
کوثر و تسنیم کا مالک ہے ساقی نام ہے!
ہر پیاسے کو پلانا بس ترا ہی کام ہے!

۴۲ ساقیٔ وحدت عطا کر، وہ مئے دو آتشہ
جس کے ہر قطرے میں ہو وحدت پرستی کا مزہ
قطرے قطرے میں ہو تیرا زور بازو موجزن
ذرے ذرے میں ہو تیرا عکسِ رخ جلوہ فگن
پھر ضرورت ہے کہ مسلم زندگی کا دیں ثبوت
حق پرستی کی شہادت، بندگی کا دیں ثبوت
پھر ضرورت ہے کہ دنیا کو سنواریں حق پرست
زندگی کی ڈوبتی کشتی ابھاریں حق پرست

یا علی، مشکل کشا، کہہ کر پکاریں حق پرست
نام پر تیرے یہ بیڑا پار اتاریں حق پرست
تو سرِ منزل کھڑا ہو اور رہم آواز دیں!
تیرے ملنے کی تمنائیں پرِ پرواز دیں!

ثبت ہے جس کی جلالت پرچم ایمان پر
ثبت ہے جس کا تبسم قدرتِ یزدان پر
ثبت ہے جس کی خودی وحدانیت کی شان پر

سرخیٔ خونِ شہیداں میں ہے یوں طرفہ نقاب
موجِ طوفاں کی جبیں پر جس طرح نقشِ حباب

جس کے ہر انداز میں تھا زندگی کا طنطنہ
جس کی ٹھوکر میں تھا ہر بیم و رجا کا واہمہ
سینۂ شمشیر تھا جس کی خودی کا راستہ
جس کی آنکھوں سے ابلتا تھا مئے دل کا نشہ

کائناتِ آب و گِل کا مالک و مختار ہے
ہستیٔ جاوید ہے مجموعۂ انوار ہے

جو قیامت خیز طوفانوں سے بھی جھجکا نہیں
جو ادائے فرض کے میدان میں بچکا نہیں
دشمنوں کے لشکرِ خونخوار سے ہچکا نہیں
مرگِ اصغر پہ بھی جو رویا نہیں سسکا نہیں

جس نے انگشت شہادت بڑھ کے رکھدی موت پر
گوش بر آواز تھا جو زندگی کی صوت پر

دامن صحرا بنا جس کے لئے دست دعا
ذرے ذرے نے کیا جس کے لئے جذبہ ادا
جس کے عزم بے پناہ پر عرش بھی تھرا گیا
رحمت حق نے کہا جس کی خودی پر مرحبا
جس کے نقش دپا پہ جن و انس نے سجدہ کیا
جو بساط زندگی پر روح بن کر چھا گیا

وہ حسینؓ ابن علیؓ وہ فاطمہؓ کا لال ہے
نور ایماں، شمع وحدت، مصطفٰے کا لال ہے
"نقش آخر" ہر نگاہ مدعا کا لال ہے
در یکتا سینۂ ہر باصفا کا لال ہے

در یکتائے حقیقت "بحر لا" میں ہے حسینؓ
نقش کامل ایک دریائے فنا میں ہے حسینؓ

٧٨٦

وہ شاہِ دین وہ سرچشمۂ جمال حسینؓ
وہ نورِ عین علیؓ فاطمہؓ کا لال حسینؓ

حسینؓ حاصلِ دیں، دین کا مآل حسینؓ
ہمارے پرچمِ ایمان کا ہلال حسینؓ

٤٨

٧٨٦

حسینؓ ابنِ علیؓ وہ شاہِ مرداں
دلوں کا درد وہ دل کا درماں،
وہ نقشِ آخریں کی خونِ داراں
بنا لا اللہ تا بہ ایماں،

نقوش
۴۹

اعجازِ انتہائے تصور تو دیکھیئے
تصویر کی طرح سے کھینچا جا رہا ہوں میں

"اختر"

۴۸۶

ہر جلوے کو ہم جلوۂ جانانہ کہیں گے
تجلے کو کعبے کو صنم خانہ کہیں گے
جانبازِ محبت تو گیا جان سے اپنی
اب آپ تو کہیئے کسے دیوانہ کہیں گے

۵۱

انجامِ وفا دیکھ لیا کر کے محبت
اب کوئی بھی ہو ہم اسے بیگانہ کہیں گے
غمناک ہیں آنکھیں تہہ مژگاں ہیں کچھ آنسو
کیا جانیئے وہ کونسا افسانہ کہیں گے
یہ مست نگاہی کا تصرف ہے کہ اختر
ٹوٹے ہوئے شیشہ کو بھی پیمانہ کہیں گے

۷۸۶

ان کو حریم شوق میں یوں لا رہا ہوں میں
اب خود بھی درمیاں سے ہٹا جا رہا ہوں میں

ایسا بھی کیا تغافلِ پیہم خدا پناہ
اے درد دینے والے مٹا جا رہا ہوں میں

۵۲ اللہ رے ہجوم تجلی کو بزم میں
بیگانۂ نگاہ ہوا جا رہا ہوں میں

اعجاز انتہائے تصور تو دیکھیئے
تصویر کی طرح سے کھنچا جا رہا ہوں میں

اخترؔ نیاز درد کا انجام الاماں
اشکِ خیال بن کے گرا جا رہا ہوں میں

۷۸۶

کہیں تو کام آخر جذبۂ بے اختیار آئے
کفن بر دوش ہو کر قتل گہ میں جاں نثار آئے

چمن میں صورتِ شبنم ستارے اشکبار آئے
چمن والوں کو کیا فصلِ بہاراں سازگار آئے

شہیدِ ناز بھی شمعِ محبت سر بکف آئی ۵۳
جو دیوانے اسیرِ دردِ تھے پروانہ وار آئے

بقدرِ ظرف پینا جام دینا کی پرستش ہے
دل و دیں نذر کر کے میکدے سے بادہ خوار آئے

روش اندر روش بادِ بہاری جلوہ ساماں ہے
کوئی کہہ دے چمن میں ٹھہر کر فصلِ بہار آئے

۴۸۶

درد کیا ہے اک مسلسل راز ہے
تشنۂ مضراب اک آواز ہے

چھیڑنا تو مطربِ رازآشنا
کون سا نغمہ اسیرِ ساز ہے

۵۴ آنسوؤں میں سرخیاں ہیں خون کی
زخمِ دل رہنِ نگاہِ ناز ہے

پوچھتے کیا ہو مآلِ عاشقی
مٹنے والے کا یہی اک راز ہے

وہ تصور میں ہیں اختر جلوہ گر
شب کی تاریکی سحر انداز ہے

۷۸۶

اتنا تو کام جذبۂ ناکام آگیا
وہ بے نقاب آج سرِ بام آگیا

دیوانے شب بخیر مبارک ہو صبحِ حشر
محفل میں آج کوئی سرِ شام آگیا

۵۵

آغوشِ کشمکش میں بھی ہم خواب میں رہے
نیند آگئی جہاں ہمیں آرام آگیا

بربادیوں کا مجھکو کسی سے گلہ نہیں
تقدیر میں جو لکھا تھا انجام آگیا

اختر حریمِ حسن کے پردے اٹھیں گے آج
آنکھوں کو کیفِ دید کا پیغام آگیا

۷۸۶

موسیٰ کی طرح اپنے کو رسوا نہ کیجیے
ہو جائے کچھ بھی عرضِ تمنا نہ کیجیے

رہنے بھی دیجیے یونہی اپنے مریض کو
ہے مصلحت اسی میں کہ اچھا نہ کیجیے

۵۶ انکار یا تو میری حقیقت سے کیجیے
یا خود کو بھول کر مجھے دیکھا نہ کیجیے

اک ماسوائے ذات ہے اک ماورائے دید
تفسیرِ حسن و عشق کی دیکھا نہ کیجیے

سو بار کر چکا ہے زمانے کا امتحاں
اخترؔ سے آپ ذکرِ وفا کا نہ کیجیے

۷۸۶

خیال میں ہے جو تصویر جلوہ گر کیوں ہو
نہیں ہے کیفِ نظارہ تو پھر نظر کیوں ہو

بنی ہے دامنِ ساحل جو موج، موج ہیں
اثر دعا تو نہیں ہے، دعا اثر کیوں ہو

۵۷

میں کامیاب تمنا بھی نامراد بھی ہوں
پڑا ہوں در پہ کسی کو مری خبر کیوں ہو

نظر اٹھا تو سہی دل کے دیکھنے والے
اگر نہ دل ہو پریشاں تو آنکھ تر کیوں ہو

الجھ کے رہ گئی پردوں میں چشمِ نظارہ
حریمِ ناز تک اخترؔ تری گزر کیوں ہو

۴۸۶

گر کر نظر سے شیشۂ دل، دل نہ بن سکا
تارا یہ ٹوٹ کر مۂ کامل نہ بن سکا

جو بجھ گیا چراغ سر راہ شامِ غم
وہ میں تھا میں ہی زینت محفل نہ بن سکا

۵۸ اک بات اہل بزم سے کہنی ہے راز کی
جو عشق میں مٹا نہیں کامل نہ بن سکا

آئے تو وہ ہزار دفعہ میرے سامنے
میں خود ہی ان کا مدمقابل نہ بن سکا

ہر موج بے ثبات پہ ٹھہرا میں تھوڑی دیر
اختر کہیں مرے لئے ساحل نہ بن سکا

۶۸۶

دردِ، دل سے جدا نہ ہو جائے
شورشِ غم رسا نہ ہو جائے

رحمتِ خاص ہے وفا ان کی
کہیں بڑھ کر جفا نہ ہو جائے

زندگی کا نہیں ہے کچھ حاصل
موت بھی بے وفا نہ ہو جائے

ربط دے لوں حیات کو غم سے
بے اثر پھر دعا نہ ہو جائے

ہر تجلی ہے صورتِ تصویر
یوں کوئی آشنا نہ ہو جائے

حسن کی بے رخی کو دیکھ اختر
مدعا! التجا نہ ہو جائے

حاصل نظارہ ہے کیفِ نظر میرے لئے
ذرے ذرے میں ہے کوئی جلوہ گر میرے لئے

زندگی میں بندِ غم سے چھوٹنا ممکن نہیں
مستقل گردش میں ہیں شام و سحر میرے لئے

۱۰ ان کے ہر انداز میں شانِ تغافل رونما
میرا ہر سجدہ خلوص معتبر میرے لئے

پھر زمانہ کہہ رہا ہے میری روداد وفا
انجمن کی انجمن ہے نوحہ گر میرے لئے

مجھ پہ آ کر رک گئی آخر نگاہِ انتخاب
خاص ہو کر رہ گئی ان کی نظر میرے لئے

۷۸۶

جب مل نہ سکا منزل کا نشاں فرزانہ کا دل بیٹھ گیا
منزل نے پکارا دیوانے کیوں چھوڑ کے منزل بیٹھ گیا

ہر گام پہ سجدہ ریز ہوا ہر گام نیاز راز
آوارۂ منزل جذبۂ دل کی لیکر منزل بیٹھ گیا

طوفان زدہ موجیں ہیں پریشاں کوئی نہیں ہے جا آئے
اک ڈوبنے والا اتمام کے شاید دامن ساحل بیٹھ گیا

یہ کون اٹھا یہ کون گیا اب شمع بجھا دو صبح ہوئی
اب گرمئ محفل سرد ہوئی جب درد گیا دل بیٹھ گیا

اک سوز سہی، اک آہ سہی، اک درد سہی اک غم ہی سہی
یہ حسن کا مارا اختر لیکر عشق کا حاصل بیٹھ گیا

۶۱

۷۸۶

وفا کیجئے کیوں کرم کیجئے
کمی رہ نہ جائے ستم کیجئے

یہ جور مسلسل یہ پیہم جفا
اگر ہو سکے تو نہ کم کیجئے

۶۲ مجھے ہے یقیں آپ کی ذات پر
نہ خود کو شریک قسم کیجئے

وفا ان کے نزدیک اک لفظ مہمل
اب ایسے میں کیا شرح غم کیجئے

جلا کیجئے شمع کی طرح اختر
یونہی شرح سوز و الم کیجئے

تصور کی پہلی ہی منزل نہیں ہے

وہ کیفِ نظر حاصلِ دل نہیں ہے

اٹھے تو حریمِ تجلی کے پردے

مگر جو سُنا تھا وہ محفل نہیں ہے

اس اک موجِ ناکام پر بھی نظر کر

میسر جسے قربِ ساحل نہیں ہے

۶۳ حجاباتِ امکاں نظر در نظر ہیں

یہ دیر و حرم تیری منزل نہیں ہے

نہ برباد کر بے خبر آنسوؤں کو

یہاں اشک ریزی کا حاصل نہیں ہے

نگاہوں کی پستی ہے ننگِ تعین

مسافر یہاں تیری منزل نہیں ہے

سر اشک جگر رکھ لے پلکوں میں اختر

یہاں کوئی درد آشنا دل نہیں ہے

مجاز ہو کے حقیقت میں آ گیا کوئی
خیال و خواب کی دنیا پہ چھا گیا کوئی
ہر ایک نقش تمنا مٹا گیا کوئی
نیاز مند محبت بنا گیا کوئی
ستارے بجھ گئے اشکوں میں دلکشی نہ رہی
چراغ کعبے کے گویا بجھا گیا کوئی

۶۴

تمام جذب محبت تمام شوق وفا
جنوں کو حاصلِ الفت بنا گیا کوئی
فضائے عشق ہے لبریز کیف و مستی سے
نظر کے ساز پہ نغمہ سنا گیا کوئی
نہ جانے برق تھی شعلہ تھا یا کہ نغمۂ درد
ہر ایک تار میں دل کے سما گیا کوئی
جنوں تھا ذوقِ طلب یا کہ دل کا جذبۂ شوق
حریم ناز کے پردے اٹھا گیا کوئی

۷۸۶

حسن ناکام ہے یا عشق جنوں ساز نہیں
شمع ہے بزم ہے پروانۂ جانباز نہیں
ایک پردہ ہے محبت کا کوئی راز نہیں
سوزِ دل جوششِ غم ہے غمِ ناساز نہیں

۶۵

دل کے ویرانے سے نکلے ہوئے نغمے ہیں یہ
خونچکاں آنسوؤں میں سوز نہیں ساز نہیں
وہ فراموشِ تمنا ہوں کہ توبہ توبہ
میں بھی خود اپنی تمناؤں کا ہمراز نہیں
سانحہ کونسا پیش آیا ہے اخترؔ ایسا
دل کے پہلے سے وہ انداز نہیں ناز نہیں

۷۸۶

ترا کیفِ غم دائمی چاہتا ہوں
میں درد آشنا زندگی چاہتا ہوں

ملا لیجیے دھڑکنیں دل سے دل کی
بس اتنی بہم آگہی چاہتا ہوں

۶۶ تبسم کے دامن میں اشکوں کو رکھ لو
بہت رو چکا اب ہنسی چاہتا ہوں

مٹا دے جو کفر اور ایماں کی تخصیص
میں اس طرح کی بندگی چاہتا ہوں

رہوں شاد اختر کہ ناشاد اختر
بہرحال تیری خوشی چاہتا ہوں

۷۸۶

ناکام آرہی ہے دعا بھی اثر کے ساتھ
تحریر رو رہی ہے مری نامہ بر کے ساتھ

غم مختصر ہوئے پہ مصیبت نہ جا سکی
چلنا پڑا ہے گردشِ شام و سحر کے ساتھ

افسانہ ختم ہوتے ہی وہ مسکرا دئے
رخصت ہوئے ستارے شبِ مختصر کے ساتھ

کارِ دراز عمر درازی کی ہے دعا
منزل دراز ہوتی گئی رہگذر کے ساتھ

اختر نے سر کو پھوڑ لیا جوشِ عشق میں
دیوانگی سفر میں رہی بام و در کے ساتھ

۶۷

محبت اک شکستِ آرزو ہے

نگاہوں میں ہیں آنسو دل لہو ہے

اسیرِ کاکل پُرخم نہیں ہوں

ابھی منزل کی لیکن جستجو ہے

۶۸ پرستش دل کی اور الفت کا دعویٰ

جنوں شاید اسیرِ رنگ و بو ہے

لہو کی بوند ہے نوکِ مژہ پر

کلی کے دل میں بھی جوشِ نمو ہے

ترے جلوے ہیں اختر رنگ و بو میں

پھر اس کے بعد بس اللہ ہو ہے

۷۸۶

درد نے آنکھیں بدل لیں دل کے ساتھ
موج طوفاں ہو گئی ساحل کے ساتھ

ہر قدم پر بن رہی ہیں منزلیں
گم ہوا ہوں جذبۂ کامل کے ساتھ

اک لہو کی بوند اب تک نقش ہے
خوں بہا آزار ہے قاتل کے ساتھ

رقصِ بسمل ہے کہ رقصِ کائنات
رقص میں ہر چیز ہے بسمل کے ساتھ

موج دل کی بے پناہی مرحبا
لے اڑی اخترؔ کو بھی منزل کے ساتھ

۶۸۔

غم کی اک کیفیت سی طاری ہے
رات دن شغل اشکباری ہے

نگہت دل نواز کیا کہنا
دل کا ہر زخم زخم کاری ہے

۷۰ فصلِ گل پھر جما رہی ہے رنگ
دعوتِ شغل مے گساری ہے

جگر و دل کی خیر ہو یارب
ایک قاتل کی ردبکاری ہے

غمِ فرقت کا کیا گلہ اختر
مستقل دل کو بیقراری ہے

۷۸۶

یہانتک جذب کر لے اے خیالِ جانِ جاں مجھکو
کہ ہر تصویر پر ہونے لگے تیرا گماں مجھکو
وفورِ بے خودی میں بھول ہی بیٹھا ادب کو میں
ذرا پھر اک اشارہ اے خیالِ آستاں مجھکو
نہ جانے کیا سمجھا افسانے میں آنکھیں ہو گئیں پرنم ۷۳
پشیماں سے نظر آتے ہیں انکے راز داں مجھکو
نہ گلشن ہی رہا باقی نہ شاخِ آشیاں باقی
قیامت ہے کہ ابتک ڈھونڈھتی ہیں بجلیاں مجھکو
پتنگے کو دیا جلنا تڑپنا قلبِ اختر کو
دلِ پر سوز اشکوں کو دیا دردِ نہاں مجھکو

۷۸۶

دلِ برق آشنا کو جلوۂ جانانہ کہتے ہیں
چراغِ طور کو اہلِ نظر پروانہ کہتے ہیں

۷۴. اُڑا جو ذرۂ منزل ہوا گم کردۂ منزل
دلِ ویران کو ویرانہ در ویرانہ کہتے ہیں

تجسس! شوقِ بیتابی، تمنا! عرضِ ناکامی
نیازِ درد کو وہ درد سے بیگانہ کہتے ہیں

شہیدِ ناز تھا شاید دلِ غم آشنا **اختر**
اسی تمہید کو ہم حاصلِ افسانہ کہتے ہیں

۷۸۶

ایک حالت پہ جب ثبات نہیں
زندگی موت ہے حیات نہیں
ایسی کیا ہو گئی خطا مجھ سے
کیوں وہ پہلا سا التفات نہیں
بھول جاؤں غم مسلسل کو ۷۵
اس طرح کے تو واقعات نہیں
سب قفس کے اسیر چھوٹ گئے
میری تقدیر میں نجات نہیں
شمع ہستی بجھا بھی دو **اختر**
موت وہ دن ہے جس میں رات نہیں

۷۸۶

کسی کا اے دلِ دیوانہ ہو جا
خیالِ جلوۂ جانانہ ہو جا

لگی ہے آگ سی سینہ کے اندر
اے دل اب جذبۂ پروانہ ہو جا

اگر دے اذن مستی چشمِ ساقی
مسلسل لغزشِ مستانہ ہو جا

یہ ہستی خواب بھی افسانہ بھی ہے
جہانِ خواب میں افسانہ ہو جا

وہ شیشہ ہے یہ ساغر ہے وہ ساقی
عزمِ توبہ عزمِ میخانہ ہو جا

حقیقت ایک ہے ہر شے کی اختر
فریبِ عقل سے بیگانہ ہو جا

۷۸۶

قائل رہوں اثر کا چلوں یا دعا کے ساتھ
موجوں کا ساتھ دوں کہ رہوں ناخدا کے ساتھ

کوئی نہیں ہے واقفِ اسرارِ عاشقی
موسیٰ کا مدعا تھا کچھ اور التجا کے ساتھ

کیفِ حیات چاہیئے کچھ تو دمِ نزع
اے کاش وہ بھی آ گئے ہوتے قضا کیساتھ

پردے پڑے ہوئے ہیں نگاہِ تمیز پر
آتا ہے اک پیام بقا ہر فنا کے ساتھ

اخترؔ سا بادہ خوار بھی دیکھا ہے آپ نے
پیتا ہے روز بیٹھ کے اک پارسا کے ساتھ

۔ ۷۸۶

کچھ اشک تہ مژگاں ہی رہے کچھ دامن دلمیں رہ نہ سکے
افسانۂ غم کیا کیجے بیاں وہ سن نہ سکے ہم کہہ نہ سکے

اس غم کا سہارا پاتے ہی کیوں آنکھ میں آنسو رہ نہ سکے
یہ نازک نازک تارے شاید دل پر چوٹیں سہ نہ سکے

دامانِ الم کیا چھوٹ گیا جینے کا سہارا ٹوٹ گیا
دو گام بھی ہم ساحل سے نکل کر بحرِ وفا میں بہہ نہ سکے

کچھ درد بڑھا کچھ کیف بڑھا تنہائی میں اب دمساز ہیں وہ
جو راز نہ کہنے تھے اخترؔ وہ راز بھی دلمیں رہ نہ سکے

۷۸۶

نار سے نور ہوا جاتا ہوں
جلوۂ طور ہوا جاتا ہوں

جانتا ہوں کہ محبت ہے بلا
ہائے مجبور ہوا جاتا ہوں

نامرادی ہے کہ تکمیل وفا
آپ سے دور ہوا جاتا ہوں

دیکھیے کیسا ملے الفت کا صلہ
ان کو منظور ہوا جاتا ہوں

درد نازک ہے کہ دل نازک ہے
آہ سے چور ہوا جاتا ہوں

مستقل غم کی خلش ہے **اختر**
دل کا ناسور ہوا جاتا ہوں

سرِ محفل مآلِ جذب کامل دیکھ لیتا ہوں
بچا کر ان کی نظریں جانبِ دل دیکھ لیتا ہوں

ٹپک پڑتے ہیں قطرے خون کے چشمِ مشیت سے
میں جب بہتا ہوا موجوں میں ساحل دیکھ لیتا ہوں

۸۰ مرا ذوقِ تجسس ماورائے حدِ امکاں ہے
میں ہر منزل کے آگے ایک منزل دیکھ لیتا ہوں

شرارے سے اڑا کرتے ہیں اکثر میری آنکھوں سے
انہیں شعلوں میں سوزِ دل کا حاصل دیکھ لیتا ہوں

فضائے زلف میں اختر رخِ پرنور کا عالم
حریمِ شب میں رقصاں ماہِ کامل دیکھ لیتا ہوں

۷۸۶

محبت رفتہ رفتہ حاصل غم ہوتی جاتی ہے
قیامت ہے کہ بزمِ عشق برہم ہوتی جاتی ہے

قریب صبح دھڑکن دل کی مدھم ہوتی جاتی ہے
حریم اہل دل اک بزم ماتم ہوتی جاتی ہے

سراپا ناز ہوتا جا رہا ہوں ان کی محفل میں
جبینِ شوق سجدہ گاہ عالم ہوتی جاتی ہے

۸۱

جنوں صحرا نوردی تک رہا محدود الفت میں
کسی عشق آشنا کی زندگی کم ہوتی جاتی ہے

بہار باغ رخصت ہو گئی کلیوں کے کھلتے ہی
گلوں کی زندگی تقدیرِ شبنم ہوتی جاتی ہے

سہارا ہیں نے اختؔر لے لیا ہر موج طوفاں کا
تمنا ساحل دریا کی بیدم ہوتی جاتی ہے

عالمِ یاس ہے تنہائی ہے
ہجر میں جان پہ بن آئی ہے

زندگی جلوۂ یکتائی ہے
ہم کو ہستی میں فنا لائی ہے

سخت تاریک ہے شامِ فرقت
دل پہ اشکوں کی گھٹا چھائی ہے ۸۲

جوہرِ حسن ہے عشق کا رِل
عشق نے دل میں جگہ پائی ہے

ظلمتِ غم ہے کہ ہے چھائی ہوئی
رات کیا سر پہ بلا آئی ہے

ایک اخترؔ ہی نہیں ہے شیدا
سارا عالم ترا شیدائی ہے

نامکمل رہ نہ جائے دل کا افسانہ کہیں
بجھ نہ جائے شمع رہ جائے نہ پروانہ کہیں

دوسری دنیا بنا لے گا یہ دیوانہ کہیں
ڈھونڈھ ہی لے گا جنون شوق ویرانہ کہیں

خالی امیدوں پہ کبتک خون دل پیتا رہوں
توڑ دے شیشہ کہیں ساقی یہ پیمانہ کہیں

پھر خزاں میں فصل گل آنیکے ساماں ہو چلے ۸۳
جیب و داماں چاک کر ڈالے نہ دیوانہ کہیں

خون دل خون تمنا خونِ حسرت ہائے ہائے
شمع گریاں ہے کہیں اور خاکِ پروانہ کہیں

اخترِ شوریدہ سر سمجھا نہ راز زندگی
ہو سکا ہے عقل کا مارا بھی فرزانہ کہیں

۷۸۶

تری نگاہ دوبارا تلاش کرتا ہوں
میں زندگی کا سہارا تلاش کرتا ہوں

بصد خلوص عقیدت فرازِ طور پہ میں
سکوں نواز نظارا تلاش کرتا ہوں

میں کیوں نہ موجِ حوادث پہ اب ٹھہر جاؤں
یہاں کہاں جو کنارا تلاش کرتا ہوں ۸۴

سرشت بن نہ سکی میری عام حسن پرست
نگاہ حسن گوارا تلاش کرتا ہوں

سکونِ حسن ہو خوابیدہ جس کے سینہ میں
میں ایک ایسا شرارا تلاش کرتا ہوں

چلا ہوں خود ہی سوئے موجِ واپسیں اختر
میں بے پناہ کنارا تلاش کرتا ہوں

حسنِ نظر کو حسن نمایاں بنا دیا
ہر پیکرِ خیال کو جاناں بنا دیا
اللہ رے جنون کی وسعت نوازیاں
جس ذرے کو اٹھایا بیاباں بنا دیا
نوکِ مژہ پہ نقش ہے جیسے لہو کی بوند
تارِ نظر کو اک خلشِ جاں بنا دیا
ہر ذرہ روئے یار کا آئینہ دار ہے ۸۵
کیفِ نظر کو روکشِ جاناں بنا دیا
ہر اشک تر میں شعلے کی تابندگی سی ہے
ہر داغِ دل کو سرو چراغاں بنا دیا
اخترؔ نشاطِ حسن و محبت نہ پوچھیے
زخموں کو ہم نے صرفِ نمکداں بنا دیا

ہمہ تن درد کی تصویر ہوا جاتا ہوں
خاک سے جوہرِ اکسیر ہوا جاتا ہوں

زلف کے ساتھ ہوا جاتا ہے افسانہ دراز
رات کے خواب کی تعبیر ہوا جاتا ہوں

آہ خالی نہ گئی بہت م کے دل بیٹھ گئے
سر بسر آہ کی تاثیر ہوا جاتا ہوں! ۸۶

صورتِ اشک ڈھلک آیا ہوں پلکوں کے تلے
خالق درد کی تقدیر ہوا جاتا ہوں

صورتِ جلوہ نگاہوں کو بھی ہے ذوق نمود
ایک کھوئی ہوئی تصویر ہوا جاتا ہوں

صورتِ اشک مٹا جاتا ہوں دل پر اخترؔ
نقش بر آب سی تحریر ہوا جاتا ہوں

۷۸۶

نہ جانے کب بجھے شعلے نہ جانے کب بہار آئی
سنا ہے شانِ رحمت آشیانوں کو سنوار آئی

ہنسی کلیوں کی شبنم کے لئے آزارِ پیہم ہے
چمن سے سیر کر کے جب یہ نکلی دل فگار آئی

تمنا اعتبارِ نا امیدی کا ہے غم حاصل
میری امید ناکامی انہیں ہر سو پکار آئی

۸۷

اثر بن کر چلی تھی درد کے ہاتھوں ہوئی زخمی
دعا کے رنگ میں آہ شکستہ اشکبار آئی

سرِ شام بلا سارا چمن تصویرِ ماتم تھا
نسیم صبح اٹھتے ہی ہر اک گل کو نکھار آئی

نہ جانے کونسے ویران گوشے میں تھا دیوانہ
بہارِ باغ اختر کو ہر اک جانب پکار آئی

۷۸۶

نگاہ قیس کو لیلیٰ کی جستجو نہ رہی
یہ کیا ہوا دلِ عاشق میں آرزو نہ رہی

نمازِ عشق، تصور کا کیف حاصل ہے
یہ انتہا ہے مجھے حاجتِ وضو نہ رہی

بدل رہے ہیں زمانے کے ساتھ باغ و بہار
کسی کلی میں بھی اب جوششِ نمو نہ رہی

تجلیات سے بھی ماورا ہے جلوۂ دید
نگاہِ شوق پہ اب قیدِ رنگ و بو نہ رہی

نگاہ ناز پہ ڈھلکے ہوئے سے ہیں آنسو
اب حسن و عشق میں تمیزِ ما و تو نہ رہی

تمام دامنِ دل چاک چاک ہے اخلقؔ
زہے نصیب مجھے حاجتِ رفو نہ رہی

۷۸۶

کیفِ غم کیف زندگانی ہے
یہی تمہید شادمانی ہے

اک امید وفا پہ مرتا ہوں
ہر جفا انکی مہربانی ہے

راز پیہم ہے، گریہ پیہم
غم کی اک مستقل کہانی ہے

۸۹

پھر تمنا، اسیر ہوتا ہوں
پھر بہر طور لنترانی ہے

رونق کائنات درد سہی
درد کو کیا کروں کہ فانی ہے

شمع جاں سوز کا فسانۂ غم
اخترؔ خستہ کی زبانی ہے

---

۶ ۸ ۷

شفق کے جام میں ساقی تو آفتاب اٹھا
نگاہ مست اٹھا گوشۂ نقاب اٹھا

سہارا لے کے ستاروں کا ماہتاب اٹھا
حریم درد سے وہ حسنِ باریاب اٹھا

دلوں پہ داغ لئے جا رہے ہیں رند ترے
وفورِ غم میں سرِ جام التہاب اٹھا

۹۰ فضا ہے مست، ہوا مست، رند و ساقی مست
وہ خُم بدوش سرِ میکدہ سحاب اٹھا

چمک کے رہ گئی بجلی سی چشم ساقی میں
صبوُ و جام کی آنکھوں کا بھی حجاب اٹھا

اٹھے جو شیشہ و ساغر تو بزم ساقی کو
دعائیں دیتا ہوا خانماخراب اٹھا

کسی کے نقش قدم کا یہ فیض ہے اختر
ہر ایک داغ جبیں سے اک آفتاب اٹھا

۷۸۶

ہر شام ہے بسمل صبح بھی بسمل جلوۂ جاناں کیا کہیئے
ہر ماہ شبستاں داغ سراپا مہرِ درخشاں کیا کہیئے

دل چاک ستارے غنچے پریشاں گریۂ شبنم نالۂ بلبل
ہر گام یہ اک درماندۂ منزل شامِ غریباں کیا کہیئے

دل غم کا تحمل کر نہ سکا آنکھوں میں ستارے تھم نہ سکے
ہر اشک مسلسل حاصلِ تسکیں دردِ فراواں کیا کہیئے

91

آنکھوں سے نشہ سا ٹوٹ رہا ہے شمع نے بھی انگڑائی لی
وصل کی گھڑیاں حشرِ مسلسل ہجر کے ساماں کیا کہیئے

اک درد نہیں کچھ کیف نہیں اک عشق نہیں کچھ کام نہیں
فرصتِ مرگ و زیست نہیں ہے اک غمِ جاناں کیا کہیئے

ہر گام پہ اک گرداب بپا ہے راہ نہیں ہے موجوں کو
طوفان زدہ ہے دامنِ ساحل جذبۂ طوفاں کیا کہیئے

آنکھ میں آنسو چہرہ پہ زردی ہونٹوں پہ حسرت کیا کہیے

سرِ ساحل سکوں تا حدِ امکاں دیکھنے والے
نظر موجوں کی شورش پہ بھی طوفاں دیکھنے والے

یہ دل کی بارگاہِ ناز کے تابندہ جلوے ہیں
تہہِ مژگاں ستارے سے فروزاں دیکھنے والے

انہیں چند آنسوؤں سے رونقِ ہستی ہے وابستہ
سرِ دامانِ دل بزمِ چراغاں دیکھنے والے

۹۲ کمالِ ضبط پر شمع محبت اشک افشاں ہے
ہر آنسو داغِ دل ہے چشم گریاں دیکھنے والے

جنوں نا عاقبت اندیش ہے انجام کیا جانے
بیابانِ الم میں شامِ ہجراں دیکھنے والے

تخیل کی فسوں کاری ہی فردوس نگارش ہے
ہر اک ذرہ گلستاں ہے بیاباں دیکھنے والے

فضائے باغِ ہستی میں گھٹا جاتا ہے دم اختر
خزاں بردوش ہیں بزمِ بہاراں دیکھنے والے

یہ کیا ہوا کہ سکوں اضطراب ہو نہ سکا
بحدِ شوق جنوں کامیاب ہو نہ سکا

کوئی اسیرِ تمنا کوئی خرابِ وفا
جو نقش مٹ گیا اس کا جواب ہو نہ سکا

نگاہِ شوق ہے پامال ان کے جلوؤں میں
اٹھے تو پردے کوئی باریاب ہو نہ سکا

۹۳ تمام پردۂ حیرت تمام جلوۂ حسن
نیاز مندِ تجلی خراب ہو نہ سکا

مریضِ ہجر کی آنکھیں کھلی ہیں بعدِ فنا
سحر ہوئی پہ طلوعِ آفتاب ہو نہ سکا

وفورِ غم میں لہو بن کے آ گئے آنسو
کسی کے دل پہ کہاں تک عتاب ہو نہ سکا

فضائے دردِ میں مشکل ہے سانس لینا بھی

۷۸۶

زہے نصیب کہ آنسو بہا نہیں سکتے
کسی کو اپنا فسانہ سنا نہیں سکتے

جو رونے والے ہیں وہ مسکرا نہیں سکتے
پڑے ہیں داغ جو دل میں دکھا نہیں سکتے

نیاز و ناز سے واقف نہیں ہے ذوق جبیں
تمہارے در کے سوا سر جھکا نہیں سکتے

۹۴

خیال و خواب ہیں دو رخ ہر اک فسانے کے
وہ کیا بنا گئے ہم کو بتا نہیں سکتے

پڑا ہے نقش کچھ ایسا میری محبت کا
مٹا کے خود کو بھی مجھکو مٹا نہیں سکتے

وہ دے رہے ہیں مسلسل فریب کیا کہنا
ہم اپنے ہوش کی دنیا میں آ نہیں سکتے

نگاہ مست میں اختر ہے راز میخانہ
وہ دل کو توڑ کے ساغر بنا نہیں سکتے

ہجراں نصیب سو تو گیا انتظار میں
سر سوں کھلی رہی نگہ سوگوار میں
الجھن سی پڑ گئی ہے کچھ امید وبیم میں
برپا ہے ایک حشر دلِ بیقرار میں
دیوانے جان دے کے سبکدوش ہو گئے
رازِ بقا ہے جذبۂ بے اختیار میں
شام فراق صبح قیامت سے کم نہیں ۹۵
افسانہ حشر کا ہے خمِ زلفِ یار میں
جذباتِ خوشگوار کی ہر موج خون ہے
ناسور پڑ گئے ہیں دلِ داغدار میں
یہ چاندنی یہ سبزۂ و گل یہ شب فراق
جی چاہتا ہے آگ لگا دوں بہار میں
اختر بڑھے چلو کہ ہے یہ منزلِ وفا

۷۸۶

آوازِ جنوں کو دے لینا جب کوئی مقابل آجائے
یوں حرف نہ عرضِ دید پہ اپنی جذبۂ کامل آجائے

اتنا تو کم از کم دیکھ ہی لو خنجر میں روانی ہے کہ نہیں
اس وقت گرا دینا پیہم دے جب رقص میں بسمل آجائے

کچھ ڈوب چکے، کچھ ڈوب رہے ہیں ڈوبنے والے ہم بھی ہیں
طوفان مبارک اے غمِ ساحل ٹھہر کہ ساحل آجائے

پیدا ہیں انہیں دھڑکنوں سے نغمہ و آیات
۹۸ تفسیرِ جنوں ہو گئی حکمت کی مکافات

"اختتام"

۴۸۶

سکوں نا آشنا آہوں کو مرہونِ اثر کر دے

تو خود شیرازۂ ہستی کو اپنے منتشر کر دے

سرشکِ نامرادِ زندگی کو رکھ لے پلکوں میں

نظامِ ہستیِ نامعتبر کو معتبر کر دے

۹۹

۴۸۷

ابتک کوئی بھی اسرارِ خودی سمجھا نہیں

بے سمجھ خاکی حدیثِ زندگی سمجھا نہیں

ایک عالم الجھ کر جائے زمانہ کاش کہ

مقصدِ تخلیق ابتک آدمی سمجھا نہیں

۷۸۶

عروج مہ و مہر تارے ستارے
تری گردِ رہ ہیں یہ سارے کے سارے
رموزِ خودی کی بنا رکھنے والے
یہ ارض و سما ہیں ترے ہی سہارے

۱۰۰

۷۸۶

بھر چکا خونِ تمنا سے ایاغِ ہستی
بجھنے والا ہے کوئی دم میں چراغِ ہستی
تازہ واربانوں کا اک قافلہ ہے ساتھ رواں
شعلۂ آہ ہے ہر گام پہ داغِ ہستی

۷۸۶

جب حسنِ ماہ دامنِ ظلمت میں چھپ گیا
اشکوں میں تارے نورِ نظر ڈھونڈتے رہے
دل کے عمیق غاروں میں ہم بھی تمام رات
لے کر چراغِ دردِ اثر ڈھونڈتے رہے

۷۸۶

فریبِ رنگ و بو میں کھو گیا ہوں
نگاہوں کی نمو میں کھو گیا ہوں
تجلی سے نہ ہمدوسا ہوں نہ جلوے سے
میں اپنی جستجو میں کھو گیا ہوں

۷۸۶

لوائے سوز بن کر ساز میں آ

فضائے ہستیِ دمساز میں آ

اٹھا دے پردہائے دیدہ و دل

جھکا لے سر حریم ناز میں آ

۱۰۲

۴۸۶

پرستش آشیاں کی۔ اور کب تک
خوشامد باغباں کی۔ اور کب تک
بنا لے برق پر اپنا نشیمن
شکایت آسماں کی۔ اور کب تک

۱۰۳

۴۸۶

نالۂ بلبل میں ہیں شوقِ آرزو پایا ہوا ہوں میں کہ
ہر کلی کے قلب میں ہیں جو تپش شعلہ پایا ہوا ہوں میں
محوِ حیرت ہوں نہ جانے کیا پایا ہے کل عمر
زندگانی کے سکوں کو اسیر جستجو پایا ہوا ہوں میں

۷۸۶

دل کی رگ رگ میں دبی آہ و فغاں رکھتا ہوں میں
خون کی ہر موج میں برقِ تپاں رکھتا ہوں میں
کوئی کہہ دے بلبلِ شوریدہ سر سے چپ رہے
باغِ ہستی میں متاعِ دو جہاں رکھتا ہوں میں

۱۰۴

۷۸۶

جب آہ کو اشکوں میں ڈبو لیتا ہوں
جب درد کو نالوں میں سمو لیتا ہوں
برہم نظر آتا ہے نظامِ ہستی
کچھ لعل و گہر دل میں پرو لیتا ہوں

۱۰۵

۷۸۶

سبزہ و گل کے دیکھنے والے
گلشن حسن و زیبائی میں آ
بن کے نگاہِ جہاں میں
چشم دل کھول اروشنی میں آ

۷۸۶

دیکھ کر وقتِ سحر شبنم کا رنگ
چشمِ عبرت میں کچھ آنسو آگئے
زندگی کا کھل گیا سارا بھرم
آج ہم اپنی حقیقت پا گئے

٤٨٦

کوئی کہدے کسی اک مہرباں سے
میرا پیغام کہدے آسماں سے
نہ روکے راہ کو میری کہ میں بھی
بچھڑ کر رہ گیا ہوں کارواں سے

١٠٧

٤٨٧

زمانہ تیکھو سمجھی بھی شناسا نہیں ستا
سمندر ہے ترے قطرے کا اپنا آشنا ہو جا
اٹھیں ہیں ہزار حوادث لئے ہوئے طوفاں
نہیں یا موج پہ نقش حباب پا ہو جا

۷۸۶

کل تخیل کی رہنمائی میں
منزلِ آگہی میں جا پہنچا
حیرتِ جلوہ تھی محیطِ نظر
خود کو ہر پردے میں چھپا پایا

۱۰۸

۷۸۶

ہنگامِ سحر ڈوبتے تاروں کی پکار
گھبرائی ہوئی کلی جیسے خزاں ہو بہار
یوں عالمِ انوار میں آوارہ تھی فطرت
جب طرحِ تخیل میں ہو شاعر کا خمار

۷۸۶

جیسے کوئی تشنہ لب جھنجھلا کے ساغر توڑ دے

آہِ نشتر کار جیسے دل کا چھالا پھوڑ دے

ہوں میں وہ بیکس مسافر دوریٔ منزل سے جو

انتہائے یاس میں گھبرا کے ہمت چھوڑ دے

۱۰۹

۷۸۶

زندگی اک عذاب پیہم ہے

سارا عالم اسیر ماتم ہے

کیا ہے سوتی زندگی کا گلہ

کچھ نہیں ہے تو موت کا غم ہے

۷۸۶

ہر نفس ایک موت کا پیغام
زندگی ہائے اس قدر ناکام

یہ بھی ہے کوئی گردش ایّام
دامن صبح میں چھپی ہے شام

۱۱۰

۴۸۶

ایک ایسی نگاہ کرتا جا
دل کی دنیا تباہ کرتا جا
مستقل دردِ غم نہ بن جائے
غم سے بھی رو براہ کرتا جا

۱۱۱

۷۸۶

جب جام کو چٹکی میں اٹھا لیتا ہوں
سرمستیٔ کونین پہ چھا جاتا ہوں

بے پردہ نظر آتا ہے رازِ ہستی
میں خود کو سرِ عرشِ بریں پاتا ہوں

۱۱۲

۷۸۶

نگاہ اولیں سرمایۂ کونین فطرت ہے
یہی تفسیر ہستی ہے، یہی دل کی حقیقت ہے
رموز درد کی بھی مختصر سی اک حکایت ہے
حدیث ماسوائے ذات ہے، شرح محبت ہے
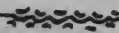
۱۱۳

نگاہِ نقد شاعر میں اک ایسا راز ہے انساں
فضائے زندگی میں درد کی آواز ہے انساں
سرور و نالہ و آہ و فغاں کا ایک مجموعہ
انہیں چاروں عناصر کا مرکب ساز ہے انساں

۷۸۶

سن اے خانہ خراب حسن و مستی
جنوں کے اور کچھ سامان کر لے
اسیرِ رنگ و بو کب تک رہے گا
جہانِ آرزو ویران کر لے

115

۷۸۶

نامکمل سا ایک افسانہ ہے
شمع سے کہہ رہا تھا پروانہ
ایک محفل میں کچھ اشارے ہوئے
جان دے بیٹھا ہائے دیوانہ

۷۸۶

تجلی خانۂ ہستی میں آجا
تو اپنے حسن کی بستی میں آجا
خرد کی تنگ نظری سے حذر کر
شراب عشق پی مستی میں آجا
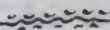
۱۱۶

۷۸۶

کتنی رنگین ان کی محفل ہے
جس طرف دیکھو رقص بسمل ہے
منفعل سا کچھ آج قاتل ہے
شرح شہید بے رخی دل ہے

۷۸۶

کوئی سمجھا نہیں کہ دل کیا ہے
سازِ عشرت ہے یا کہ غم کی نے
پھر ذرا چھیڑنا تو اے مطرب
میں بھی اک بار سُن لوں اس کی لے!

۱۱۷

۷۸۶

رنگین التفات کا مارا ہوا ہوں میں

یعنی نگاہِ ذات کا مارا ہوا ہوں میں

مخفی ہے ایک لفظ میں کل داستاں مری

اپنی تجلیات کا مارا ہوا ہوں میں

۱۱۸

۷۸۷

زیر و بم سے ساز خلقت کے ہیں مضراب کی اک جنبشِ خوں

غم زدہ ہاں شعلے ہوں یا ساز کے آنسو سے ہوں ،

جیسے شعلہ اور شبنم سے ہے پھولوں کی نمود

یعنی نگہت و سرود نغموں میں ہے مطرب کا سکوں

۷۸۶

صحنِ چمن میں صرف غمِ انتظار تھا

وارفتۂ بہار دلِ بے قرار تھا

جذباتِ غم نواز کی ہر موج تلخ تھی

ہر ہر نفس خزاں کا پیامِ بہار تھا

۷۸۶

صبح جمیل ہے رات جمیل ہے

عالمِ کائنات جمیل ہے

یہ جوانی ہے یا شباب سرشار

داستانِ حیات جمیل ہے

۷۸۶

طلوعِ مہر سے مینا و جام پیدا کر
مثالِ موجۂ دریا خرام پیدا کر
فروتنی جسے کہتے ہیں وہ ہے عینِ خودی
تو بندگی میں خودی کا مقام پیدا کر

۱۲۰

۷۸۶

اے دوست عیشِ رفتہ کا خواب و خیال چھوڑ
گذرے ہوئے زمانہ کا رنج و ملال چھوڑ
کب سے اسیرِ گردشِ شام و سحر ہے تو؟
مستقبلِ حیات میں آ فکرِ حال چھوڑ

۷۸۶

کُل حقیقت مری اک حرف کی تفسیر میں ہے
حرف شیریں وہ ابھی تشنہ سی تحریر میں ہے
صورت درد رہا جذبۂ بسمل ہو کر
وہ جو اک قطرہ لہو کا دلِ نخچیر میں ہے

۷۸۶

عطا کر دے الٰہی دردِ الفت
حیاتِ جاوداں اکسیرِ فطرت
نمودِ فانی سبھی تاریخِ ہستی
دلِ انسان میں بھر دے محبت

۲۸۶

چمن میں ہر طرف آہ و فغاں ہے
یہ کیسی آگ ہے کیسا دھواں ہے
چلو آؤ تو دیکھیں ہم صفیرو
نئے خطرے میں اپنا آشیاں ہے

۱۲۲

۷۸۶

اے اجنبی! ادعائے شکستہ اثر ہوں میں
یعنی ہلاک گردشِ شام و سحر ہوں میں

عبرت مری گواہ ہے میرے یقین پر
اک بےکسی کی نعشِ سرِ رہگذر ہوں میں

۷۸۶

معلوم نہیں کونسی محفل تھی جہاں رات
دل پر میرے پڑتے گئے صدمات پہ صدمات
کیا کہہ دیا تھا شمع نے پروانے سے آخر
کیوں کر گیا دیوانہ محبت کی مکافات

۷۸۶

نظامِ زیست بدلا جا رہا ہے
کوئی میٹھے سُروں میں گا رہا ہے
ذرا دینا تو سازِ دردِ عشرت
مجھے پھر یاد کوئی آ رہا ہے

۱۲۵

۷۸۶

اس دور میں احباب کی فطرت توبہ
پردے میں رفاقت کے سیاست توبہ
ہر ایک ہے خود اپنی غرض کا بندہ
سب دیکھ لی دنیا کی محبت توبہ

۷۸۶

سکونِ دل تجھے حاصل نہیں ہے
ترا جذبِ جنوں کامل نہیں ہے
سن اے پروانۂ فرقت زدہ سن
گدازِ شمع سوزِ دل نہیں ہے

۱۲۶

۷۸۶

مرے دل کو سراپا نور کردے
سیاہی کفر کی کافور کردے
پلا کر جام ارادت یا الٰہی
مجھے اس دور کا منصور کردے

۷۸۶

لب گفتار پر رنگ فغاں ہے
یہ کس حسرت زدہ کی داستاں ہے
تری آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں اختر
تو کس کی زندگی کا ترجماں ہے

۱۲۷

۷۸۶

سب آشنا جانتا ہوں ہمنشینو
یہ دنیا اک فریب آب و گل ہے
میں دیوانہ نہیں ہوں بات مانو
تمنا آرزو کا حاصل خون دل ہے

۷۸۶

رات محفل میں کھل گیا یہ راز
کیا ہے دراصل سوز کیا ہے ساز

حسن نے گیت درد کے چھیڑے
جان دے بیٹھے سب کے سب جانباز

۱۲۸

۴۸۶

ربط دے لوں تو کہوں افسانۂ رازِ حیات
وضع کرتا ہوں میں دو جملوں میں ساری کائنات
موت کہتے ہیں کسے اور زندگی کیا چیز ہے
کائناتِ زندگی میں ایک دن ہے ایک رات

۶۸۶

کائناتِ آب و گِل جب منتشر ہو جائے گی
جب ہماری شامِ ہستی کی سحر ہو جائے گی
کچھ نہ رہ جائے گا جب اک نقشِ عبرت کے سوا
حیرتِ نظارہ دیدۂ معتبر ہو جائے گی

۶۸۷

شام کے وقت چھائی ہیں تاروں کی جب
رات آتی ہے بکھیرے روشن پیرہنِ ضیاہ
حسرتِ شانۂ ظلمت ہیں چھپ جاتی [illegible]
حسن کی تنویر میں پہلو [illegible]

۷۸۶

دیدۂ بینا میں سیر راز نہاں رکھتا ہوں میں
عالم آفاق پنہاں جاوداں رکھتا ہوں میں
صبح عشرت زندگی ہے شام فرقت موت ہے
دامن ہستی میں مرگ ناگہاں رکھتا ہوں میں

۱۳۱

۴۸۶

ہے ایک نقشِ وفا کا ثواب کی صورت
سوال ہی ہے مکمّل جواب کی صورت
کمالِ غیظ و غضب میں بدل گئی جنّت
گناہ ہو گئے واپس عذاب کی صورت

۴۸۷

کچھ بن نہ سکا شمع سے پروانہ بنا کر
سرمایۂ فانی کا نہیں عشق بھی حاصل
جز فتنۂ جاں سوزی ہے سامانِ ایماں
بنتے ہیں اداکار اس سے کیا جوہر قابل

حضرت مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم!

سازِ گیتی پرور ہے میں اک نغمہ اثر کا طالب
مطربِ عرش نشیں کیلئے روحِ قالب

روحِ نغمہ ہے اثر مطربِ فن کار ہے دل
صورتِ جلوہ ہر اک نقش پہ آیا غالب

۱۳۴

شاہجہاں کا خواب!

خواب کی آغوش میں بیداریاں تھیں محوِ خواب
دامنِ ماہتاب میں خوابیدہ جیسے آفتاب

جاگتے میں کر رہا تھا مسجد اقصےٰ کی سیر
جامع مسجد نے ذرا رخ سے جو سرکائی نقاب

گلستاں میں ہر سو جگر چاکیاں ہیں
دل آزاریاں ہیں، دل آویزیاں ہیں
دل افگاریاں ہیں، لہو تابیاں ہیں
شرر بار شعلے ہیں یا بجلیاں ہیں
یہ آنسو نہیں دل کی چنگاریاں ہیں ۱۳۷

سرِ طور پھر دل اثر ڈھونڈھتا ہے
تجلی میں جذبِ نظر ڈھونڈھتا ہے
ستاروں میں اک نوحہ گر ڈھونڈھتا ہے
رگِ گل میں برقِ شرر ڈھونڈھتا ہے
یہ آنسو نہیں دل کی چنگاریاں ہیں

ستارے کہیں چین سے سو رہے ہیں
کہیں پھول شبنم سے منہ دھو رہے ہیں

شعر کے پردوں میں اسرارِ خودی رازِ حیات
پردۂ نغمات میں معنی و مفہومِ ممات
استعارے میں حدیثِ زندگی تفسیرِ موت
ہر نظر پر تو نے کھولے ہیں طلسمِ کائنات
تیری وہ آواز کہتے ہیں جسے "بانگِ درا"
منزلِ امکاں میں انساں کیلئے ہے رہنما
دوسری آواز تیری یعنی "بالِ جبرائیل"
ہر مسافر کے لیے ہے مژدۂ بانگِ رحیل
سننے والے ہوں اگر اہلِ خرد اور اہلِ ہوش
تیسری ہر آواز ہے اقبال آوازِ سروش

۱۴۰
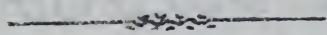
غمِ بہاراں!

ہر پھول پہ جلوے رقصاں ہیں ہر شاخِ گلستاں بسمل ہے
ہر غنچۂ گلشن تاباں ہے، ہر موجِ بہاراں بسمل ہے

نوخیز سی کلیاں کیا جانیں انجام نشاطِ زیست ہے کیا
ہر برگِ تمنا بسمل ہے، ہر غنچۂ خنداں بسمل ہے

یہ شمس و قمر کے پردے ہیں، کیا جانیے جلوہ ریز ہے کون
ہر شامِ غریباں بسمل ہے، ہر صبحِ بہاراں بسمل ہے

ہر جلوۂ گلشن رو کشِ جاناں، جلوۂ حیرت کیا کہیے
یا چشمِ نظارا بسمل ہے، یا جلوۂ جاناں بسمل ہے

گلشن میں بہار آئی ہے مگر، غنچوں کی ہنسی میں کیف نہیں
یہ طرفہ تماشا کیا کہیے، ہر دیدۂ حیراں بسمل ہے

جذبۂ دل اعجاز سراپا، ناز سراپا، سحر سراپا
پروانۂ حیراں بسمل تھا، یا شمعِ شبستاں بسمل ہے

طوفانِ فنا کے دھڑکے سے ہر غنچہ و گل کے لب ہیں خشک
کیا لطفِ بہاراں جبکہ خزاں کی عشرتِ دوراں بسمل ہے
غمناک نظارے مٹتے ہیں تقدیرِ تمنا روتی ہے
جز مرگ نہیں کچھ حاصل ہستی زیست کا انساں بسمل ہے

نجمِ سحر

راتکی تاریکیوں میں کس طرف جاتا ہے تو
کس سے ملنے کی تمنا میں ہے محوِ جستجو

پیکرِ ماہِ سحر آنکھوں میں ہیں انوارِ غم
کچھ مجھے بھی تو بتا دل پر ہے کیسا بارِ غم

سبزہ و گل پر مسلط ہے اداسی ہائے ہائے
جوئے گلشن پر بہاراں ہے پیاسی ہائے ہائے

پاک بچوں کی ہنسی سے تیری شوخی کم نہ تھی
کیا زمانہ تھا کہ تیری آنکھ جب پرنم نہ تھی

تیرے دامن میں کبھی گنگ و جمن تھیں موجزن
کوثر و تسنیم کی وادی میں ستا تیرا چمن

چاند تارے تھے تری محفل کے روشن قمقمے
ہمنے لوٹے ہیں تری دنیا میں جنت کے مزے

اے اسیرِ کاروانِ شب اے صبح کی نفیر
مرتسم ہے تیری پیشانی پہ یہ کیسی لکیر

نقشِ فانی کا خلاصہ ہے کہ شرحِ جاوداں
شبنمی آنکھوں میں موتی ہیں کہ ہیں چنگاریاں

تیری تنویروں میں سرخی سی ہے اے نجم سحر
رس رہا ہے چشم خوں آشام سے خونِ جگر

رات کی تنہائی تجھ پر کیا قیامت ڈھا گئی
تیری فردوسی ادا شاید تجھی کو بھا گئی

شاید تو اپنے ہی حسنِ دلربا پر مر مٹا
ہائے رے معصومیت اپنی ادا پر مر مٹا

یاد دھندلکے میں تری تقدیر ٹھوکر کھا گئی
گیسوئے ظلمت سے خوشبوئے سحر ٹکرا گئی

اے چراغِ صبح کیفِ زندگی باقی نہیں
محفلِ ہستی میں کچھ بھی دلکشی باقی نہیں

شاہراہیں

دریچے عرشِ بریں کے ہیں بند، نمودِ شام و سحر نہیں ہے
جہانِ ہستی میں ہے اندھیرا، وجودِ شمس و قمر نہیں ہے

ہما ہمی کا ہے ایک عالم، وہ برہمی ہے کہ الاماں ہے
کھلی ہیں راہیں تمام لیکن، نہ کوئی منزل نہ کارواں ہے

تمام پردے گرے ہوئے ہیں، تمام ظلمت سی چھا رہی ہے
اسی اندھیرے میں ایک پردے سے جیسے آواز آ رہی ہے

اٹھا وہ پردہ وہ برق چمکی، کسی نے رخ سے نقاب الٹی
تمام عالم پہ روشنی ہے، سحر نے شب کی کتاب الٹی

فضائیں مخمور ہو کے جھومیں، ستارے رفتار پا کے جھومے
حیات گلریز ہو کے جھومی، طیور گلزار پا کے جھومے

نسیم فطرت بہار جھومی، وہ پتے پتے وہ بوٹے بوٹے
اڑا چلے یوں بہارِ گلشن، کہ جیسے کوئی کسی کو لوٹے

جبینِ دریا پہ موجیں ابھریں حباب ابھرے چلیں ہوائیں
نقاب رخ سے الٹ کے فطرت دکھا چلی دلربا ادائیں
وہ کوہساروں کے زیرِ دامن بسے ہوئے تھے جو زمزمے سے
وہ صورتِ نغمۂ بہاراں تمام ذروں پہ چھلکے گونجے،
نگاہِ ساقی میں جام چھلکے، اٹھایا مطرب نے سازِ ہستی
تمام میخانۂ جہاں پر امنڈ کے برسی حیاتِ مستی
نسیم سہمی ہوئی سی ہے کچھ، بہارِ گلشن کی خلوتوں میں
اٹھے گا اک انقلابِ محشر شگفتِ غنچہ کی جلوتوں میں

حرفِ معنےٰ

سازہوں یا ساز کی آوازہوں
رازہوں یا پردہ دارِ رازہوں
کچھ نہیں کھُلتا میں کیا ہوں کون ہوں
دیکھنے میں حرفِ معنے سازہوں ۱۴۷
حاصلِ تقریر ہوں عنوان میں
یوں نوا بستہ لبِ اعجازہوں
حسن کی اک مستقل تنویر ہوں؟
خاک کے ذروں میں جلوہ سازہوں
صورتِ شعلہ کہیں، شبنم کہیں
غنچۂ و گل کا بھی میں دمسازہوں،
آئینہ خانے میں جلوہ ریزہوں
محفلِ ہستی میں شمعِ نازہوں

عرش کا ٹوٹا ہوا تارا ہوں میں
صورتِ آنسو نظر انداز ہوں
حاصلِ رحمت سراپا معصیت
میں اسیرِ فطرتِ غماز ہوں،
حرفِ معنیٰ ہیں سے تفسیرِ حیات
دامنِ ہستی پہ اک اعجاز ہوں

محبت

کتابِ کُن پہ کس مجبور دیوانے کی سرخی ہے
کہ ہر ذرے پہ افسانے ہی افسانے کی سرخی ہے

محبت کارفرمائے جہاں ہے میری نظروں میں
محیطِ عالمِ کونین بتخانے کی سرخی ہے

تقاضائے کلیمی جبیں کے ہلکے تبسم کا
جبینِ طور پر اب تک اس افسانے کی سرخی ہے

محبت طالب و مطلوب کی اک بند چنگاری
مرتب شمع کے سینے میں پروانے کی سرخی ہے

محبت فاتحِ اعظم محبت غیر فانی شے
سرِ دار آج بھی نقش ایک دیوانے کی سرخی ہے

نگاہیں کس سراپا مست سے ٹکرا گئیں اخترؔ
تری آنکھوں میں اک لبریز پیمانے کی سرخی ہے
محبت کا پجاری ہوں محبت میری فطرت ہے
یہی سرخی مرے ہر تشنہ افسانے کی سرخی ہے

ساقی

کمالِ ہوش ہے میخوار کی دیوانگی ساقی
بقدرِ وسعتِ میخانہ ہے فرزانگی ساقی

زمینِ جام و مینا ہے سرورِ سرمدی ساقی
تری آنکھوں کی مستی ہے ہماری تشنگی ساقی

عتابِ مے پرستی ہے، کہ حسنِ برہمی ساقی
صدائے جام ہے یا گھٹ رہی ہے زندگی ساقی

طلوعِ مہر سے مطلب ہے شبنم کی دلآویزی
بلانوشوں کی جاتی ہے کہیں تشنہ لبی ساقی

ستاروں کو چمک ذروں کو جذبِ دل گلوں کو رس
ہمیں رندی و مستی آپ کو خود آگہی ساقی

پیالے شیشۂ دل توڑ کر چلو سے پی لیں گے
ادائے دل نوازی ہے ہماری بیکسی ساقی

طوافِ جام و مینا کا ہے مطلب کفر سامانی
خدائی سے ہے بڑھ کر تیرے در کی بندگی ساقی

گریباں چاک ہیں غنچوں کے بلبل محوِ نالہ ہے
مکدر ہے فضا بھی آج تیری بزم کی ساقی

تبسم زارِ فطرت میں شگفتِ گل پیامِ مِل
بہاراں ہے اب ایسے میں نہ کر پہلو تہی ساقی

خطِ پیمانۂ دل رہنمائے منزلِ حق ہے
خودی کے رنگ میں طاری ہے ہم پر بیخودی ساقی

میں توڑوں دل کا پیمانہ تو آنکھوں کی صراحی توڑ
مٹا دیں مل کے دونوں آج رسمِ مے کشی ساقی

شفق!

شام ہستی جس کی خوں آشام ہو
دیکھیے کیا صبح تک انجام ہو

چاک دامن گل ہیں کلیاں چاک دل
یوں نہ غربت میں کسی کی شام ہو

بستر غم پر ہے کوئی جاں بلب
یا شفق ہو یا دلِ ناکام ہو

ہجر کا مارا ہوا یا غم نصیب
دل اسیرِ گردشِ ایام ہو

یا سرِ مقتل بہتا ہے خونِ دل
حاصلِ الفت یہی انعام ہو

پھر جبینِ طور پر تاباں ہے "حسن"
تاکہ کارِ دل مذاقِ عام ہو

یا کسی مہوش کی چشمِ مست ہو
یا مئے دل کا چھلکتا جام ہو

دیکھنے کی چیز ہوتی ہے شفقؔ
جب کہ گھونگھٹ میں عروسِ شام ہو

برق در آغوش ہے شمعِ حیات
اشکِ ہستی کا شفق کیوں نام ہو

نقوش

اے نگاہِ پردہ در، شائستۂ نقش و نگار
مرحبا صد مرحبا، جلوہ بہ جلوہ شاہکار
تا تراشیدہ تخیل میں تراشیدہ نگاہ
سحر آگیں، ہوش تمکیں، حسنِ کامل واہ واہ!

پردہ دارِ شوخیِ تحریر کہنا چاہیئے
یا نگاہِ شوق کی تصویر کہنا چاہیئے

یہ تبسم زیرِ لب آنکھوں میں یہ گہرا خمار
بجلیاں محوِ سکوں جیسے بہ آغوشِ بہار

یہ جبینِ صاف یہ ابرو یہ چشمِ پاکباز
دوش پر چھائی ہوئی ہے لیلیٰ ظلمت نواز

روئے رنگیں پر رہیدہ رنگِ خونِ آرزو
روز و شب کے سائے ہیں جیسے شفق پر آب جو

جب تصور میں کوئی ہوتا ہے مصروفِ خرام
ایک مرکز پر سمٹ آتی ہیں جیسے صبح و شام

ساحلِ نظارہ پر عکسِ تصور کا نکھار
عکسِ نظارہ میں جلوہ گر ہو جیسے روئے یار

حسنِ کامل کی ادا میں ناز فرماتی ہوئی
سازِ مستی پر جوانی کی غزل گاتی ہوئی

156

دیدہ و دانستہ آنچل رخ سے سرکاتی ہوئی
تا حیا دیدۂ نظر سے آپ شرماتی ہوئی

ہر قدم بے ساختہ انگڑائیاں لیتی ہوئی
ہر روش غنچوں سے کچھ رعنائیاں لیتی ہوئی

لالہ و نسریں سے یوں کرتی چلی ہے شوخیاں
کچھ جھجھک ہے، شرم ہے کچھ اور کچھ بے باکیاں
تشنہ کامِ آرزو ہر شے کو ٹھکراتی ہوئی

آپ اپنی نوجوانی کی قسم کھاتی ہوئی
آنسوؤں کے ساز پر کچھ گیت سے گاتی ہوئی
آ رہی ہے حادثاتِ غم کو دہراتی ہوئی

فطرتِ کائنات ہے مدہوش
ذرہ ذرہ ہے میکدہ بردوش

چشمِ ساقی سے چھن رہی ہے شراب
آج جائز ہے شغلِ ناؤ نوش

چل رہے ہیں پیالہ و ساغر
مرحبا زندگی ہے بادہ فروش

میکدہ ہے کہ بزمِ جنت ہے
ساقیانِ جمیل و وشش بدوش

سازِ عشرت پہ گا رہے ہیں غزل
رند نغموں سے ہو گئے مدہوش

جام و مینا ہیں رقص میں پیہم
مطرب میکدہ ہے نغمہ فروش

شاہد و نغمہ و شراب اختر
عشرتِ عید ہے پیام سروش

گلستانِ غم!

رات کے دامن پہ یوں تھی چاندنی بکھری ہوئی
صبح کی ہتھیلی میں ہو جیسے شفق نکھری ہوئی

دلکشا وادی کہیں بستی کہیں سنسان بن
حاشیے پر نور کا دریا ہے گویا موجزن

۱۴۰ ہر طرف بزمِ کواکب ہر نظر جلوہ فروش
ہے ردائے نور اوڑھے لیلیٰ گیسو بدوش

شاعرِ فطرت کی نازک فکر کی تنویر میں
جلوہ ساماں ہیں نگاہیں پردۂ تصویر میں

عشرتِ ہستی کا آخر کچھ تو ساماں چاہیے
گریۂ شبنم کی خاطر اک گلستاں چاہیے

شامِ غم کے واسطے صبحِ درخشاں چاہیے
طور کے ذروں پہ کوئی جلوہ ساماں چاہیے

موجِ طوفاں کو کنارا کشتیٔ غم کو ثبات
تہ نشیں قطروں کو آغوشِ سکونِ حادثات

میں اسی عالم میں کچھ سویا ہوا جاگا ہوا
ہر قدم پر نیند کے جھونکے سے کچھ کھاتا ہوا
فطرتِ آوارہ کی مانند کچھ بہکا ہوا
جا رہا تھا اک طرف کو راہ سے بھٹکا ہوا
فرشِ راہ پر تھے گہر بکھرے ہوئے شبنم مثال
غنچہ و گل بھر رہے تھے جن سے اپنے اپنے تھال
سبزۂ خوابیدہ بھی انگڑائیاں لیتا ہوا
چھپ گیا کلیوں کی کچھ پرچھائیاں لیتا ہوا
رفتہ رفتہ ہر کلی گلشن بداماں ہو گئی
چشمِ نظارہ مری جلوہ بہ ساماں ہو گئی
پھول کی ہر پنکھڑی خوشبو سے مٹی لگی ہوئی
گود میں ہر پھول کی تھیں تتلیاں مچلی ہوئی

چھن رہا تھا نور سا یا تھی فضا بھیگی ہوئی
حسن کے سر پر بھی تھی نورانی ردا بھیگی ہوئی

پاس ہی اک کنج میں کچھ ٹمٹمایا اک چراغ
جس کی ہر تنویر میں ابھرے ہوئے تھے دل کے داغ
میں نے دیکھا نرگسِ غمگین کی نظروں نے بھی
غنچۂ و گل نے بھی دیکھا خاک کے ذروں نے بھی
خواب تھا یا بیہوشی جیسے میں پھر سے سو گیا
دیکھتے ہی دیکھتے اک سانحہ سا ہو گیا
میں نے پوچھا بھی تھا شاید کچھ کسی سے یا نہیں
نامرادی کی صدا گونجی تھی اتنا ہے یقیں
دوش پر پھولوں کے شبنم کی تھی نعش بیکسی
باغ کے دلکش نظاروں پر بھی تھی افسردگی

رُودَادْ!

ہمنشیں تجھ کو بھی کیا گزرا زمانہ یاد ہے
سننے والے رو پڑیں ایسا فسانہ یاد ہے

یاد ہیں مجھکو غمِ رفتہ کے سارے واقعات
خون سے لکھنے کے قابل ہے مری غمگیں حیات

خوں چکیدہ اشک میں مخفی ہے غم کی داستاں
غم رسیدہ آنسوؤں میں خون کی ہیں سرخیاں

بچپنا! اک جاگتے کا خواب تھا وہ اب کہاں
ہر نظر پہ گلفشاں تھا ایک تازہ گلستاں

ابتدائے زندگی میں بادشاہی تھی مری
ہم نفس ہمجولیوں میں کج کلاہی تھی مری

چاند اور تارے مرے دربار کے تھے مجرئی
مشتری۔ زہرہ۔ ثریا سے تھی میری دوستی

باغ میں کلیاں کھلا کرتی تھیں میرے واسطے
غنچہ و گل میں پڑا کرتے تھے مجھ پر قہقہے

دور پر حد تخیل سے بھی آگے دور پر
ماورائے ذہن ہستی کی جبین طور پر
صورتِ شعلہ جوانی رقص میں تھی ہمنشیں
میری چشمِ سادہ میں ہر ذرہ تھا زہرہ جبیں
یوں شباب حسن پر دوڑ رہا تھا پے بہ پے
ساز کے پردوں پہ چھائے جس طرح مطرب کی نے
میں جواں تھا یا جواں تھی ایک دنیائے خراب
ذرے ذرے سے ابلتی تھی جوانی کی شراب
شوقِ منزل کی صدائیں دور تک گونجی ہوئی
منزلِ تسلیم کی ہر چیز تھی سہمی ہوئی
دل کی دھڑکن میں کسی کے ساز پا کی تھی صدا
درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ پردہ اٹھ گیا

آگیا بامِ نظر پر کوئی سرکائے نقاب
برق بھی شعلہ تھا یا کہ آفتاب و ماہتاب
چشمِ نظارہ اٹھی اور تلملا کر رہ گئی،
شمع دل روشن ہوئی اور جھلملا کر رہ گئی

میری افسردہ نگاہوں میں ہے غم کی داستاں
ضو فشاں تارے ہیں یا آنسو ہیں میرے رازداں
میں نے کوشش کی بہت زنجیرِ ہستی توڑ دوں ۵
جا رہا ہوں ویرانۂ حسرت میں بستی چھوڑ دوں
دیکھنے والے مجھے دیوانہ کہتے اور کیا!
زندگی کے راز سے بیگانہ کہتے اور کیا!
مجھ پہ الزامِ تمنا تو نہ آتا ہمنشیں
آستانِ ماسوا پر تو نہ جھکتی یہ جبیں
محرمِ نا آشنا کا کوئی ہوتا آشنا
ہمنشیں اپنے کاشانے میں تقدیر کا ہوتا خدا؟

مشعلِ راہ

ہمنشیں آ چل کر اک تازہ جہاں پیدا کریں
اور کہیں چل کر زمین و آسماں پیدا کریں

چاند تاروں کی نگاہوں سے بھی چھپ جائیں کہیں
جی میں آتا ہے مکاں اندر مکاں پیدا کریں

۱۶۶ اپنی تنہائی میں کھو جائیں ہجومِ غم کے ساتھ
شورشِ غم میں سکونِ جاوداں پیدا کریں

تجرباتِ دہر سے آگاہ کر لیں روح کو
جذبۂ خوابیدہ میں بیداریاں پیدا کریں

دم گھٹا جاتا ہے بزمِ زندگی میں ہمنشیں
اب کہاں تک ضبط میں جذبِ نہاں پیدا کریں

کچھ سکوتِ گل سے بھی پیدا کریں طرزِ کلام
بے زباں کلیوں میں اپنا ہم زباں پیدا کریں

دل کے داغوں سے جہنم کو بھی کر دیں گلفشاں
ہمنشیں آتشکدے میں گلستاں پیدا کریں

بجلیاں گرتی ہیں یونہی نگاہِ قہر سے
شاخ اندر شاخ۔ ہم اک آشیاں پیدا کریں

سوزِ دل سے پھونک دیں باغ و بہارِ آرزو،
آنسوؤں کے زیرِ دامن بجلیاں پیدا کریں

اہلِ گلشن کی رگوں میں جم گیا خونِ عمل
خار و خس کے سینے میں برقِ تپاں پیدا کریں

منزلِ مقصود کا رہبر بنے ہر نقشِ پا،
ہر قدم پر اک امیر کارواں پیدا کریں

ظلمتِ شب میں بھٹک جائیں نہ تارے راہ سے
حدِ منزل تک خطوطِ کہکشاں پیدا کریں

آ! اٹھا دیں امتیازِ خادم و مخدوم اب
زندۂ جاوید اپنی داستاں پیدا کریں

سیلؔ

زندگی

صبح کی مستی میں کچھ سورج کی لالی گر گئی
چاندنی دیوار پر ہلکی سی سرخی بھر گئی ؟
ایک درماندہ مسافر آنکھ میں آنسو بھرے
سو رہا ہے ناؤ کی پتوار پر ہاتھ دھرے
گود میں ساحل کی کچھ موجیں ہیں اب تک محوِ خواب
سطحِ دریا پر ابھر کر آ گئے ہیں کچھ حباب
دور پر جاگی ہوئی موجوں کا ہے اک قافلہ
یونہی آگے پیچھے موجوں کا ہے اکثر سلسلہ
تیز دھاروں کے خم و چم میں ہے ایسی دلبری
ڈبکیاں لے دم بدم جیسے کہ کوئی جل پری

یا کوئی دیوی کرے موجوں سے کچھ اٹھکھیلیاں
یا کسی فنکار کی ہوں جلترنگ پر ڈنڈیاں
یا کسی شاعر کے احساسات کی ہیں دھڑکنیں
لے رہا ہے یا کوئی طوفان پیہم کروٹیں
عیش و غم کا ہر فسانہ بھول جانا چاہیئے؟
بہر نوع تسکینِ دل کو اک بہانا چاہیئے؟

9

چاہیئے غم کو مہیا ہو سکے جتنی شراب
عیش کی خاطر سجالے مستقل اک بزم خواب
زندگی کی گود میں خواب گراں ہے خوابیاں
ہر سکوں کے قلب میں خوابیدہ ہیں بے تابیاں
"زندگی" ہستی میں آکر درد کی تصویر ہے
ہر مسافر راستے میں شاکئی تقدیر ہے.
کارواں در کارواں منزل بہ منزل درد ہے
انتہائے غم میں ہر ذرے کا چہرہ زرد ہے

بحرِ غم میں کیا تھی یارب ایک دل کی کائنات
نقش ہو کر رہ گیا وہ بھی بہ نوعِ حادثات

دامنِ ساحل میں اک دلگیر سی سوزِ کراہ
شاید سوتے میں مسافر بھر رہا ہے سردِ آہ

غم زدہ دل کی سحر تھی خواب میں ڈوبی ہوئی ؟
شام بھی ہے شیشۂ خوں تاب میں ڈوبی ہوئی ؟

محشرِ خیال

دامنِ لیلئ شب چھوٹ رہا ہے جیسے
چاند تاروں کا نشہ ٹوٹ رہا ہے جیسے

جیسے ہونے کو ہے برہم مہ و انجم کا نظام
صبح سے پہلے ہوا جاتا ہے افسانہ، تمام

نبضیں چھوٹی ہوئی ہیں غنچہ و گل کی جیسے
تلخیاں چھٹ سی گئیں ساغرِ مُل کی جیسے

اب کوئی کیف نہیں، توڑ دو جام و مینا
میں بھی آتا ہوں، غمِ رفتہ کو ٹھہرا لینا

غم نہیں، درد نہیں، سوز نہیں، ساز نہیں
ہائے اب کوئی بھی تنہائی کا دمساز نہیں

شمعِ ہستی ہے کہ ہے نوحہ گر و گریہ کناں
زر و زرد شعلہ، اڑا جاتا ہے بن بن کے دھواں

پھر بھی انجام کی امید ہم کر سکتے نہیں
مرنا چاہیں بھی تو ہم آپ سے مر سکتے نہیں

مطلق الحکم ہے شیرازۂ اسناد ابھی
اہلِ گلشن پہ ہے پابندیٔ فریاد ابھی

پنکھڑیاں

غم کیف ہے نظارا گریبانِ سحر چاک
ہر پنکھڑی دل چاک ہے دامانِ نظر چاک
ہر شام و سحر چاک ہے ہر شمس و قمر چاک
دامانِ دعا چاک گریبانِ اثر چاک

ویرانۂ گلشن میں دل افگار ہیں ذرے
یا دامنِ گلشن پہ ہیں کچھ خون کے قطرے
یا شعلہ کے سینے میں ہیں بیتاب شرارے
ہیں سامنے آنکھوں کے خوں آشام نظارے

لب بستہ سی کلیوں میں نہیں تابِ تکلّم
تنقید مکمل ہے یہ پھولوں کا تبسم

انگڑائیاں لیتی ہوئی اک نارِ جہنم
پنکھڑیاں ہیں یا آنکھوں کے ٹوٹے ہوئے ہیں خم

یا مہرِ جہاں تاب کی کرنیں ہیں رمیدہ
یا آنکھیں ہیں شبنم کی بھی اب خون چکیدہ
یا رنگِ شفق دامنِ گلشن پہ دمیدہ
ہر پنکھڑی اک گلشنِ گل ہے خزاں دیدہ

دیکھو تو کہیں نور کہیں نار ہے گلشن
خونبار کہیں ابرِ گہر بار ہے گلشن
نوخیز سی کلیوں پہ بڑا بار ہے گلشن
ہر پنکھڑی پہ طرۂ طرار ہے گلشن

خودی ابتدا ہے خودی انتہا ہے
خودی ذاتِ واحد ہے ذاتِ خدا ہے

جمالِ خودی جوہرِ ذات سا ہے
یہ آئینۂ عکسِ حقیقت نما ہے

رہِ زندگی میں خودی تیری ہمدم
رفیقِ وفادار ہے رہ نما ہے

خودی عشقِ منصور و ذاتِ حسین ہے
خودی خالقِ زندگی کی رضا ہے

خودی کو نہ کر تو شکارِ ہوس
خودی زندگی کے لئے کیمیا ہے

خودی کے تصرف میں سارا جہاں ہے
حقیقت میں خوددار انساں خدا ہے

حبابِ خودی بن کے موجوں میں رہ
یہی رازِ ہستی ہے رازِ بقا ہے

تحریر میں کچھ اور ہے تقریر میں شعلہ
تنویر میں کچھ اور ہے تصویر میں شعلہ
تخریب میں کچھ اور ہے تعمیر میں شعلہ
صورت میں ہے کچھ اور ہے تاثیر میں شعلہ

یہ پردہ برانداز ہے اک طور سراپا
یہ نار سراپا ہے کہیں نور سراپا
دلبستہ سی کلیوں کو ہے ناسور سراپا
شبنم کی دلآویزی کو دل چور سراپا

ہر محفلِ عشرت کیلئے خالقِ زینت
ہر دل کے لئے کیمیا اکسیرِ محبت
ہر چشمِ بصارت کیلئے نورِ بصیرت
ہر ذرۂ ہستی کے لئے چشمۂ رحمت

ہر پردۂ تصویر میں اک جلوۂ یکتا
احساسِ بصیرت کیلئے برق سراپا
گلریز جوانی پہ ہے اک حسن بھبھوکا
یہ برقِ نظر دل کا شرارا ہے کہ شعلہ

یا پھول کی ہے پنکھڑی سبزہ کی جبیں پر
گھونگھٹ میں شفق کے ہے کوئی چاند زمیں پر
یا نور کی قندیل ہے اک عرشِ بریں پر
یا اشکوں کی تحریر ہے آنکھوں کی جبیں پر

یوں دیکھنے میں آگ کا سیلاب ہے شعلہ
ہر شیشہ و ساغر میں مئے ناب ہے شعلہ
افشردۂ انگور میں زہر آب ہے شعلہ
آنسو ہیں کہ جاں سوختہ سیماب ہے شعلہ

شاعرِ رنگیں کلام!

شعر کے پردے میں تفسیریں بیاں کرتا ہے "وہ"
رازِ قدرت ساری دنیا پر عیاں کرتا ہے "وہ"
درد کو دل، دل کو خود سے راز داں کرتا ہے "وہ"
زندگی بھر زیرِ لب آہ و فغاں کرتا ہے "وہ"
مرکزِ ہر خاص و عام —— شاعرِ رنگیں کلام

دامنِ مژگاں میں کچھ آنسو ہیں اور لب پر ہنسی
رات پر پھیلی ہے جیسے ملگجی سی چاندنی
کچھ مہ و انجم سے شبنم نے اڑی تابندگی
ظلمتِ ہستی میں شعر پا رہا ہے روشنی
جلوۂ حیرت تمام —— شاعرِ رنگیں کلام

یادِ ماضی زندگی کا ہے سہارا ہائے ہائے
کشتیٔ دل کے لیے غم کا کنارہ ہائے ہائے
غم زدہ ٹوٹا ہوا نازک سا تارا ہائے ہائے
دامنِ دل ہو گیا ہے پارا پارا ہائے ہائے
اک اسیرِ صبح و شام ـــــ شاعرِ رنگیں کلام

مفلس و نادار، فاقہ کش، ذلیل و خوار ہے
زندگی کمبخت کے سر پر بڑا اک بار ہے
یوں حقیقت دیکھیے تو آدمی خوددار ہے
تنگ نظروں میں اگرچہ بیکس و لاچار ہے
ناقدِ عالی مقام ـــــ شاعرِ رنگیں کلام

پاؤں پر انسان کے انساں جھکا دیتا ہے سر
آدمی پر بند ہے کیا رحمتِ عالی کا در
اہلِ محفل میں نہیں ہے کوئی بھی اب دیدہ ور
ایک درماندہ اٹھا ہے بزم سے با چشمِ تر
رو رہے ہیں سقف و بام ـــــ شاعرِ رنگیں کلام

پھر ضرورت ہے بدل دیں بزمِ ہستی کا نظام
باریابی پا سکے اس بزم میں ہر خاص و عام
تشنہ کام آئیں مگر جائے نہ کوئی تشنہ کام
میکدہ سازی کریں اب توڑ دیں قسمت کے جام
دے رہا ہے کچھ پیام ـــــ شاعرِ رنگیں کلام

———

فردوسِ معصیت

ظلمتِ شب ہے کہ بڑھتی ہی چلی آتی ہے
کیسی زنجیر جھنکتی ہے سیہ خانوں میں
یہ شبِ تار، یہ سناٹا، یہ غمناک فضا
روح گھبرائی ہوئی پھرتی ہے ویرانوں میں

۱۸۴

جذب ہیں جیسے فضاؤں میں پکاریں دل کی
زندگی مائلِ فریاد ہے غم خانوں میں
دل کے دامن پہ ستارے ہیں کہ اشکوں کی روش
شورِ ماتم ہے بپا روح کے کاشانوں میں
تپش اندوز ہیں شبنم کی رگوں میں شعلے
آتش افشاں ہیں گل و غنچے گلستانوں میں
بجلیاں کوند رہی ہیں نگہِ شب گوں میں
کچھ قیامت کے بھی آثار ہیں طوفانوں میں

جیسے اک محشرِ خوابیدہ ہوا ہے بیدار
یہ صدائیں تو کبھی آئیں نہ منقبیں کانوں میں

معصیت حسن کی فردوس میں ہے شعلہ فشاں
آگ ہی آگ نظر آتی ہے انسانوں میں

بوالہوس جان بھی دیکر نہیں ہوتے مقبول
ایک بھی شمع کے قابل نہیں پروانوں میں

شبِ تنہائی میں اک محشرِ خاموش ہو تمہیں
دھڑکنیں جذب ہیں دل کی مرے افسانوں میں

شافی بن تائب کے نام

شافی صاحب کا خلوص میری منزلِ تسلیم کا رہنما ہے

خداوندِ دو عالم تجھکو دردِ دل عطا کر دے
نگاہِ کیمیا بخشے سراپا کیمیا کر دے
حجاباتِ دو عالم تیری نظروں میں سما جائیں ۱۸۵
حریمِ کبریائی سے تجھے بھی آشنا کر دے
نہ رہ جائے جہانِ رنگ و بو کا راز پوشیدہ
مثالِ نرگسِ ہشیار تیری چشم وا کر دے
حیاتِ جاودانی، اکسیرِ فطرت، دردِ الفت ہے
ترے دل کو الٰہی مرکزِ مہر و وفا کر دے
ربابِ اشک پر چھیڑے حدیثِ نالۂ بلبل
خدائے دردِ الفت اہلِ دل کا ہم نوا کر دے

نیاز و درد کی تصویر ہو جائے تری ہستی
مشیت کی نظر تفسیرِ تسلیم و رضا کر دے

سرورِ بندگی ایسا عطا ہو تیرے ہی فطرت کو
حقوقِ زندگی تو ایک سجدے میں ادا کر دے

نقوشِ آخری یعنی دعا ہے قلب آختو کی
خدائے زندگی تکمیلِ ایماں و حیا کر دے

تضمین بر غزل مرزا غالب مرحوم

محفلِ ہستی میں کچھ شمعیں فروزاں ہو گئیں
بجھ گئیں کچھ اور کچھ جلوہ بہ ساماں ہو گئیں
کچھ ستاروں میں تو کچھ گلشن بداماں ہو گئیں
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں ۱۸۷

اب کہاں پہلی سی بزمِ عیش میں رعنائیاں
میکدے میں ساقیِ مہوش کی مست انگڑائیاں
وہ سہانی چاندنی میں ابر کی پرچھائیاں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

زیرِ لب کچھ کہہ رہا ہے جلسے ناکامِ فراق
ماہ و انجم پر بھی ہے کچھ رنگ آلامِ فراق

لارہا ہے غیب سے میرا اشک پیغام فراق
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

جذبۂ عشق آزما کا پیرہن ہے تار تار
گھات میں ہر دم لگی رہتی ہے چشم کم عیار
بے نیاز شوق ہے ان کے تغافل کا شکار
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار

١٨٨ جو مری کوتاہئ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

آج تک نکلا نہ کوئی آنسوؤں کا راز داں
گریۂ شبنم پہ اختر ہنس رہا ہے گلستاں
ایک بلبل اہل گلشن پہ ہے اب تک نوحہ خواں
یونہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

خیال!

جی میں آتا ہے ستاروں کی بہاریں لے کر
آنسوؤں کو بھی شریکِ غمِ پنہاں کر لیں

انقلاباتِ مسلسل سے قیامت ہے عیاں
پھر کہاں ؟ اہلِ چمن سیرِ گلستاں کر لیں

چشمِ شبنم میں ہیں کچھ سرخ لکیریں سی پڑی
اہلِ گلشن یہی سرخی سرِ عنواں کر لیں

پھونک دیں گلشنِ صیاد کو آہوں سے اسیر
یہی موقعہ ہے قفس کو بھی گلستاں کر لیں

چشمِ خوں ناب سے پیدا کریں ماہ و انجم
دل کے ہر داغ کو ہم شمعِ شبستاں کر لیں

بجلیاں کوند رہی ہیں نگہِ طوفاں میں
ہم صفیرانِ چمن جینے کے ساماں کر لیں

دردِ مرہونِ اثر ہو نہ سکا خوب ہوا
موجۂ اشک میں پیدا رمِ طوفاں کرلیں

لبِ خاموش سے کچھ کہہ تو رہے ہیں آنسو
آپ پیمانِ وفا، زینتِ عنواں کرلیں

شاید مل جائے کوئی حشر میں دل کا ناقد
اے اجل ٹھہر کہ داغوں کو نمایاں کرلیں

گورِ غریباں!

قبروں کا سلسلہ جو نظر آ رہا ہے دوست
ہر قبر ہے فسانۂ ہستی کی یادگار!
فانی حیات نقشِ مسلسل کا نام ہے
نقشِ حیات مٹ کے ابھرتا ہے بار بار
پھولوں کی نزہتیں تو ہیں وقفِ خزاں مگر
ہر شاخ نو دمیدہ ہے آغوشِ نو بہار
شمعِ حیات زینتِ کون و مکاں ہے جب
ہجراں نصیب پھر تو فنا کی نہیں شکار
ہر بے ثبات شئے کو کہیں پر ثبات ہے
عمرِ گریز پا کو اگرچہ نہیں قرار
ہر ذرہ کائنات کا صرصر بدوش ہے
بجلی سے بھی ہے تیز مگر اپنا راہوار

منزل تمام زیرِ قدم اک پلک میں ہے
رستے میں ٹھہرنے کا نہیں ہم کو اختیار

یہ خواب گاہِ ناز میں سوئے ہوئے جو ہیں
طے کر چکے ہیں منزلِ ہستی کو شہسوار

عقبیٰ کی فکر ہے نہ ہے دنیا کا غم انہیں
یہ سو رہی ہے بیکسی ان پہ بھی سوگوار

آسودگانِ خاک کا ہر راز فاش ہے
یعنی ہمارا دامنِ ہستی ہے تار تار

تائیدِ زندگی میں ہے مرنا بھی لازمی
ترتیب آب و گل میں ہے ہر روح بیقرار

نقوش

"نقوش" کے عنوان سے فلاسفروں کے مقالات
چار مصرعوں میں نظم کر کے پیش کر رہا ہوں۔ اسی
رنگ میں تقریباً ایک ہزار مقالات زیر کتابت
ہیں۔ انشاء اللہ آپ لوگوں کی پسندیدگی پا کر
عنقریب مجموعۂ نقوش پیش کروں گا۔

طالب اثر
اختر

۴۸۶

بہر حال مجھ کو بھی تسلیم ہے یہ
کہ ہر گل کے دامن میں نکہت نہیں ہے
بقولِ حبیبِ خدائے دو عالم
نہ سمجھو کہ ہر شعر حکمت نہیں ہے
(پیغمبرِ اسلام ﷺ)

۴۸۷

یہ مانا کہ مجھ سے بڑی خود نگری ہے
کہیں ماہ سے [illegible] اونچا سر ہے
مگر یہ بھی ہے نقص ایسا کہ جس میں
ہمہ وہ صفت ہوں وہ حسن کم ہے
(پیغمبرِ اسلام ﷺ)

٧٨٦

زندگی ہے اک مسلسل احتیاج
کوئی مفلس ہے کسی کے سر پہ تاج
صرف مُفلس کو نہیں زر کا گلہ
صاحبِ زر بھی ہے زر کا محتاج

(سعدیؔ)

٧٨٦

ہم نے مانا کہ حسن نعمت ہے
حسن جلوہ ہے اس کی رحمت کی
حسن عریاں پہ جان دنیا دوست
آدمیت پہ ایک لعنت ہے

(رجا النیوس)

۷۸۶

خموشی کے دامن میں ہر خاصیت ہے
بے پیرایہ زینت کی اعجازیت ہے
حصار ایسا جس میں نہیں کوئی دیوار
یہ ہیبت وہ ہے جو کہ بے سلطنت ہے
ہے بے عذر سی بے نیازی خموشی
بے محنت عبادت کی روحانیت ہے
ہے علیوں کے چہرے پہ رحمت سراپا
خموشی کو اے دوست رحمانیت ہے
(لقمانؑ)

۷۸۶

اگر ہو سکے تو خموشی بھی سیکھو
کہ خاموش رہنے میں ہیں فائدے
خموشی بڑھاتی ہے عزّو وقار
ہیں ہر بات کے کچھ نہ کچھ قاعدے
(سقراط)

۷۸۷

محبت ہی تخلیق کا مدعا ہے
محبت ہی قبلہ ہے قبلہ نما ہے
یہ بقراط کا قول، قولِ زرّیں
خدا ہے محبت، محبت خدا ہے
(بقراط)

٧٨٦

کیا خوب ارسطو کے ہیں یہ زریں اشارات
اس ذیل میں بھی پڑتے ہیں کچھ اور مقامات
وہ سچی محبت ہو، صداقت کہ شجاعت
یہ تین اشارات ہیں کل حرف و حکایات

(ارسطو)

٧٨٦

اگر چاہتے ہو مصنف بنو؟
تو لازم ہے تم کو کہ لکھو پڑھو
اگر تم کو بھاتا نہیں لکھنا پڑھنا
مصنف نہ بننے کی کوشش کرو
(لقمان)

٧٨٦

نہ جانو کہ دشمن ہے کمزور ہم سے
بڑھائیگا وہ دوستی اور ہم سے
ہمیشہ رہو اپنے دشمن سے ہشیار
[illegible]
(سعادی)

٧٨٦

تاریخ محبت میں ہے عورت ہی محبت
یا اس طرح سمجھو کہ محبت ہے ہر عورت
عورت ہی محبت ہے مگر مرد کی خاطر
افسانہ ہے کچھ اور نہیں اس کی حقیقت
(بقراط)

٧٨٦

ہاں محبت بھی نہیں رحمت بنا
اک خلش ایک درد ہے اک عمر سسکتی آہ
مدصیبت ہر صبا دو سرخی سے نظر
صاف کرتا ہے دل کو آئینہ سا
(کبیر داس)

۷۸۶

اگر چاہتے ہو کہ ہو کامیابی
تو جس سے ملو اس کی عزت کرو
ہے رحمت سراپا خلوص ندامت
نہ اپنے کو بھولو نہ سرکش بنو
(زاغلول پاشا)

۷۸۷

فقر شہنشہی سے بہتر ہے
نیکی بدی سے بہتر ہے
خود پرستی گناہ ہے لیکن
موت بے حرمتی سے بہتر ہے
(سکندرِ اعظم)

۷۸۶

کارِ دلجوئی شانِ رحمت ہے
اشک آنکھوں میں غم کی زینت ہے
دردمندی ہے زندگی کا صلہ
خدمتِ غیر اپنی خدمت ہے
(سقراط)

۷۸۶

اے فلاطون سچ ہے آدمی فانی
روح کہتی ہے یہ نہیں فانی
اب بنی ہی ہے جسم کی ہستی
آدمی سچ ہے اور زندگی فانی
(افلاطون)

۷۸۶

ذی فہم کو لازم ہے کہ آپس میں نہ جھگڑے
ہر جھوٹ کو سچائی کی زنجیر میں جکڑے
"شر" بن کے اگر شر کو مٹائے تو بہادر
افضل ہے اگر شر کے لئے خیر کو پکڑے
(حضرت علی مرتضیٰ)

۷۸۶

خوبصورت بھی خوب سیرت ہے
گل سے پیدا بہار نکہت ہے
نیکیاں خود ہیں نیکیوں کا ثمر
نیک انسان کو فضیلت ہے
(افلاطون)

۷۸۶

کچھ راز نہیں اور اگر سمجھو تو ہے راز
لازم ہے کہ ہر آدمی عزت پہ کرے ناز
اسلاف کا دہرائے فسانہ تو ہے کم ظرف
پیدا جو کرے نام وہ ہے اصل میں شہباز
(سقراط)

۷۸۷

زندگی دلچسپ افسانہ ہے
کوئی فرزانہ کوئی دیوانہ ہے
عشرت و غم کی کہانی ایک ہے
شمع محفل صورت پروانہ ہے
(آداب)

ضروری الاظہار

میرے والد مرحوم شعر کہتے تھے۔ مولانا حسرت موہانی اور حکیم ناطق صاحب وغیرہ واقف ہیں چونکہ میری عمر نو سال کی تھی اور والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا لہذا میں مرحوم کی ادبیت سے مستفید نہ ہو سکا۔ شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھتے ہی میں مرحوم کے ادبی سرمایہ کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ لیکن آجتک محروم ہوں۔ خدا مستر وقین کو مرحوم کی روحانی کرب اور بیچینی کے اثرات سے محفوظ رکھے۔

ذیل کا قصیدہ۔ کانپور میں مدرسہ الٰہیات کی افتتاح پر پڑھا گیا تھا۔ مدرسہ الٰہیات کی تحریک تقریباً تیس سال ہوئے ۱۹۱۶ء میں ہوئی تھی۔ مدرسہ الٰہیات اتنے زمانے کے بعد اب حلیم مسلم کالج کے نام سے مشہور ہے۔ مدرسہ کی یہ شاندار ترقی حافظ حلیم صاحب کی مسلسل سعی اور ایثار کی بدولت ہوئی ہے۔ اس حقیقت کے تحت مدرسہ کا انتساب عنوانِ کالج ایک محسن کے نام میرے نزدیک جائز ہے۔

قصیدہ۔ والد صاحب نے عجلت میں کہا تھا جس کا تذکرہ مرحوم نے بھائی صاحب سے اکثر یہ کہتے ہوئے کہا کہ قصیدے پر نگاہ ثانی کی سخت ضرورت ہے، شاید زمانے نے مہلت نہ دی اور یہ کام رہ گیا۔ بہر کیف میں نے اپنے جذبات کے تحت غنچۂ نورس میں قصیدہ شائع کرایا ہے۔ خدا کرے آپکی نگاہیں۔ قصیدہ کے معارفات سے محروم نہ رہیں۔

طالب اثر۔ **اختر**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ

میں آج نشۂ عرفاں سے ہو گیا سرشار
تو جھومتا ہوا جا نکلا جانبِ گلزار

روش روش پہ جو دیکھا تو ساکنانِ چمن
کھڑے ہوئے ہیں عجب شان سے قطار قطار

لباس سبز ہیں ہر اک بنا ہے شوخی سے
چڑھا ہوا ہے نئے سر سے اُن پہ رنگِ بہار

ہوائے سرد کے جھونکوں سے جھوم جاتے ہیں
کچھ اس لچک سے کہ گویا ہیں چلنے پہ طیار

گمانِ صاف ہوا مجھکو اس خم و چم پر
کہ جھک پڑے ہیں ہر اک سو سے آج بادہ خوار

جو شاخِ گل ہے لئے ہے وہ پھول کی ڈالی
کہ ہو مظاہرِ قدرت کے قدردان پہ نثار

بہ زعمِ دلبری کیا کیا سرو اکڑتا ہے
پھڑک پھڑک کے کرتی ہے قمری بھی جس پہ جان نثار

ہزار شکر کہ پھر نخلبندِ گلشنِ کُن
لگا ہے بھرنے یہ پھولوں سے دامنِ اشجار

سموم غم سے تھے پژمردہ آج پھر نکھرے
یہ مشتِ پر کی ہے طاقت کہ وہ ہیں شکر گزار

نسیم پھولوں کے پہلو جو گدگدا نکلی
قطار نخل بنی کھل کے قہقہہ دیوار

یہ رنگ دیکھ کے غنچے جو مسکرانے لگے
پیار لینے کو بلبل بھی لے گئی منقار

کبھی جو سنبل و ریحان بہت پریشاں تھے
جو آج دیکھا تو شائستہ تازہ ہیں طرار

خوشی سے آنکھ میں نرگس کے پھولی ہے سرسوں
وہ مست ہے کہ نگاہوں میں لائے رنگِ خمار

جو شاخِ گل ہے خیاباں میں ہے وہ زینت بخش
سنانِ نیزہ حفاظت کو ہے لئے ہر خار

عقب میں مروحہ جنبان بنا گل سنبل — عرق فشانی پہ کیوڑا ابھی ہے کھڑا طیار

گلوں نے لالہ پہ ساغر بدست کہتا ہے — پیو سرور سے ہو وحدت کا تا کہ ہوشیار

اُڑا رہا ہے بلندی پہ قطرے فوارہ — کہ تا فلک ہے وہ تار دوئی کو توڑ لیں اکبار

گلوں نے کان جو کھولے تو جھک کر بلبل — سنا یہ چلی گل وحدت کی داستان ہزار

پڑھا جو بلبل شیدا نے کلمۂ توحید — تو جھک پڑے وہیں ہر ایک شاخ و برگ و بار

مرا یہ حال کہ تھی وجد کی وہ کیفیت — زبان ذوق سے پڑھنے لگا درود ہزار

ردائے سبز کی گھونگھٹ میں پھنسے جلوہ نگار
گلوں کی گود میں مچلی ہوئی عروس بہار

یہ شان دیکھ کر میں نے زبان سوسن سے — یہ رنگ شہر خموشی کا کیا کچھ استفسار

زبان حال میں سوسن سنا چلی مجھکو — تو بے خبر ہے بڑا اُسن ہے انھیں تق اسرار

جو کانپور میں ہے مدرسہ الٰہیات — اُسی کے واسطے پایا ہے ایک جلسہ قرار

خدا کا شکر ہے اُس نے دکھائے وہ دن — کہ جسکے واسطے آنکھیں کھلیں تھیں نرگس وار

خوشا نصیب ہمارے کہ آئے وہ علمائے — کہ جنکے فیض قدم سے ہے یہ زمین گلزار

زہے سعادت جلسہ کہ آفتاب احمد — زمین کو صدر نشین ہو کریں فلک رفتار

غرض یہ جلسہ کی ہے بس اشاعت توحید — دلوں سے ظلم اُڑا کر کے تا بھرے انوار

رہا یہ مدرسہ تو لا الہ الا اللہ — بصدق قلب زباں سے کہینگے کل کفار

اسی خوشی میں ہے یہ باغ باغ سارا چمن — نئے لباس میں پھولوں کا ہو رہا ہے نکھار

سنا تو فرطِ مسرت سے گر گیا مدہوش — زباں پہ جاری تھا کلمہ یہی جب ہوا بیدار
اُٹھا میں پھولوں کے بستر سے پھر بصد عجلت — تو توڑے پھول کئی اور بنا لیا یہ ہار
چلا میں شاداں یہاں تک کہ پہنچا جلسہ تک — ہزار شکر کہ مجھکو ملا یہاں بھی بار
اب التجا ہے کہ اس ہار کو یہ صدر نشین — کریں جو زیبِ گلو تو بڑھائیں میرا وقار
اگر میں شکریہ اُن کا کہیں ادا کر لوں — زبانِ نطق مرے لب کو چومتے سو بار
ہمارے صدر مدرسہ ہیں حاجی عبد غفور — بڑھا دے حوصلہ اُن کا تو اے مرے غفار
کہ حسنِ نظم سے اور اپنی خیر و برکت سے — گلوئے کفر کو وہ کاٹ دیں بلا تلوار
الٰہی نخل سعی ہے جو احمد اللہ کا — نہال ہو کے وہ پھولے کہ آئے پھول سے بار
جہازِ قوم ہے طوفانِ بے تمیزی میں — حلیم حافظِ حقیقی ہے تو لگا دے پار
اندھیری رات ہے گرداب ہر جگہ پیدا — تھپیڑے دیتی ہیں امواج وقتِ دشوار
غضب ہے اور بھی اس پہ کہ نیند غفلت کی — سلا کے کر گئی بے ہوش اُنکو جو بیدار
ابھی تلک تو یہ تھا راستے پہ جاتا تھا — بھٹک چلے نہ کہیں اب بغیر کھیون ہار
ہر ایک کافرِ بدکیش ہے نہنگ بنا — ہمیں کو کھا چلا یارب جو تھا ہمارا شکار
خدایا مدرسہ کو اب تو ناخدا کر دے — جہاز رانی کرے تا کہ بچ رہیں دیندار

صمد دُعا ہے کہ یہ مدرسۂ الٰہیات
بڑھائے قوتِ عملی دے کفر ہمت ہار

فقیر محمد عبد الصمد عفی عنہ الاحد